یہ میرا طرف دیکھ

(افسانوں کا مجموعہ)

عطیہ پروین

www.taemeernews.com

یہ میرا طرف دیکھ

(افسانوں کا مجموعہ) عطیہ پروین

(جملہ حقوق بحق مصنّفہ محفوظ ہیں)

ناشر ——— عطیہ پروین
سن اشاعت ——— ۱۹۸۶ء پہلی بار
تعداد ——— ۶۰۰
کتابت ——— محمد عثمان خاں رائے بریلوی
طباعت ——— نامی پریس لکھنؤ

"یہ کتاب فخر الدّین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اُتر پردیش
لکھنؤ کے مالی تعاون سے شایع ہوئی"

ملنے کا پتہ

ذیشان پبلیکیشنز ۸۱۸ — اندرون قلعہ رائے بریلی

www.taemeernews.com

فہرست

الف	پیش لفظ	5
1	وہ ایک نشانی تیری	7
2	مجھے نہ پکارنا	13
3	نوحۂ غم ہی سہی	24
4	آن	35
5	پچھلا دروازہ	48
6	لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا	56
7	گھبرا کے محبت کر بیٹھے	61
8	گڑیا	70
9	جو ہم نے داستاں اپنی سنائی	81
10	اگر اور جیتے رہتے	85
11	موم کی چٹان	95
12	لہو پکارے گا	101
13	گر تو برا نہ مانے	109
14	بہو کہتی ہے	118
15	یہ میرا ظرف دیکھ	125
16	کہاں ہو؟	139
17	کھول دو دروازہ	150
18	کانٹوں سے محبت کر لو	157
19	جلاتے چلو چراغ	166

www.taemeernews.com

"افسانوں کا مجموعہ"

یہ میرا ظرف دیکھ

عطیہ پروین

اُن آنکھوں کے نام جو آخری وقت تک ہم بھائی بہن
کی آواز پر کھُل جاتی تھیں۔

www.taemeernews.com

پیشِ لفظ

میں کیوں لکھتی ہوں یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔
میرا دل اور میرا قلم مجھ سے لکھواتا ہے میرے اندر کوئی تحریک پیدا ہوتی ہے جو مجھے لکھواتی ہے
میں نے اُردو ادب کی اپنے خیال میں کافی خدمت کی ہے ایک لمبے عرصے سے لکھ رہی ہوں۔

اپنا پہلا افسانہ میں نے ۱۳ برس کی عمر میں لکھا تھا اور اس فضا میں اس ماحول میں، اس پابندی میں جہاں کہ لڑکیوں کا لکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا بڑی ڈانٹ پڑی پھر بھی میرے دل میں یہ خواہش کروٹیں لیتی رہی کہ کچھ لکھوں میرا وطن قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی ہے۔ یہ ایک تاریخی اور ادبی قصبہ ہے (ہے نہیں تھا) اور میں نے اس کی فضا میں آنکھیں کھولیں پروان چڑھی۔ میرے اندر بھی ادبی چراغ مسرائیت کر گئے اور میں مریضِ قلم بن گئی۔ خیر، پھر میری بڑھتی ہوئی دیوانگی کو دیکھ کر میرے والد نے خدا ان کو جنّت عطا کرے مجھے قلم اٹھانے کی اجازت دے دی۔
میں نے لاتعداد افسانے لکھے۔ اپنے اردگرد کے ماحول اور بکھرے ہوئے کرداروں پر ——! میرے کردار آسمان سے اتری ہوئی مخلوق نہیں ہوتے حقیقی زندگی میں چلتے پھرتے ٹھوس کردار ہوتے ہیں۔
میں عورتوں کی عزّت اور اہمیت پر زور دیتی ہوں۔ عورت کائنات کی سب سے بہتر تخلیق ہے۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ عورتیں اپنے آپ کو اس اونچے مقام

www.taemeernews.com

سے گرا کر نیچے چلی آتی ہیں۔ میں انھیں اٹھانے اور ان کے اندر کی اچھی عورت کو جگانے کی کوشش کرتی ہوں۔ میرے ہر افسانے میں کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے ——!

اب میں اپنا یہ افسانوی مجموعہ آپ سب کے سامنے پیش کر رہی ہوں مجھے پوری امید ہے آپ لوگ اسے پسند کریں گے اور میری حوصلہ افزائی کریں گے یہ سارے افسانے ہندو پاک کے مختلف جرائد میں شائع ہو کر پڑھنے والوں کے معیار پر پورے اُتر چکے ہیں۔ میں ان منتشر اوراق کو یکجا کر کے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی کے تعاون سے کتابی صورت میں شائع کروا رہی ہوں —— یہ سطور لکھتے ہوئے میری آنکھوں کے سامنے اپنے مرحوم والد صاحب کی تصویر گھوم رہی ہے اس لئے کہ وہ میرے ہر افسانے اور ہر ناول کو اسقدر خوش ہو کر اور اس قدر فخر کے ساتھ پڑھتے اور لوگوں کو پڑھاتے تھے کہ مجھے اُنکی بیٹی ہونے پر فخر ہوتا تھا ——!

میں اس مسودے کو ان کی مشفق آنکھوں کے نام منسوب کر رہی ہوں جو آخری دم تک میرے لئے کھلی رہی تھیں۔

عطیہ پروین

www.taemeernews.com

افسانہ

وہ ایک نشانی تیری

سارے ڈاکٹر ہار گئے عزیز ہار گئے ان کے بچّے ہار گئے مگر ان کی آنکھوں سے آنسو تو کیا لبوں سے آہ تک نہ نکلی۔ ایک رات اور ایک دن چوبیس گھنٹے سے وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھیں۔ پہلے ان کی آنکھیں شوہر کی میّت پر گڑی رہیں جب میّت اُٹھ گئی اور اس جگہ صرف اگر اور لوبان کا دھواں ہی رہ گیا تو بھی اس دھوئیں کو تکتے ہوئے وہ گویا اس میں اپنے شوہر کی تصویر دیکھتی رہیں شبیہہ دیکھتی رہیں۔!

گورا اونچا قد چوڑے شانے، مُسکراتا چہرہ، روشن آنکھیں اونچی محراب دار پیشانی، اور روپہلی تاروں والے بال جو اَب بڑی تیزی سے کم ہوتے جا رہے تھے!

دفن کے بعد مرد گھر میں آ گئے ایک بار پھر رونے پیٹنے کا ایک طوفان سا اُٹھا۔ چھوٹی لڑکی مچھلی کی طرح تڑپ ہی تھی رہ تے رہ تے اس کی آواز بیٹھ گئی وہ بار بار اپنے بڑے بھائی سے پوچھتی۔

"بھیا میرے ابّا کو کہاں چھوڑ آئے" اور بھائی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتا کون تھا ایسا جس کی آنکھ نم نہ ہو۔ بس ایک وہ نہ روئیں۔

آخر محلّے والوں نے سب کو سمجھا بجھا کر فرش پر لمبا سا دستر خوان بچھا دیا کڑوی روٹی کھانے کے لئے تھکے ماندے غم سے نڈھال ان کے بچّے بھی بیٹھ گئے عزیز اور احباب بھی۔ بڑا لڑکا ان کے پاس آیا۔ ان کو ہلایا ڈلایا ہاتھ جوڑے قسمیں دلائیں کہ وہ بھی دو نوالے کھالیں لیکن انھوں نے بس سر کو نفی میں

www.taemeernews.com

جنبش دی اور اسی سکوت کے عالم میں شوہر کی خالی جگہ کو تکتی رہیں۔ مجبور ہو کر آنسو پونچھتے ہوئے آخر بیٹا دسترخوان پر جا بیٹھا اور لڑکی نے سسکتے ہوئے روٹی کا نوالہ توڑا۔

ان کا جسم ساکت تھا آنکھیں خشک تھیں لیکن دماغ کام کر رہا تھا۔ آنکھیں خشک تھیں لیکن دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور یہ لہو خدا جانے کیوں آنکھوں سے باہر نکلنے کا راستہ بھول گیا تھا خدا جانے کیوں؟

ان کی ویران آنکھوں میں ۳۰ برس کی ازدواجی زندگی کا ایک ایک عکس کسی تیز رفتار فلم کی طرح چل رہا تھا۔ وہ کسی طرح بھی اپنے آپ کو یہ یقین نہ دلا پا رہی تھی کہ ان کے محبوب شوہر ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو چکے ہیں شادی کے بعد کبھی ایک ہفتہ کے لئے بھی وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہوئے تھے زندگی کی اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے نہ اکتائے تھے، نہ گھبرائے تھے اور نہ بیزار ہوئے تھے۔ وہ اب تک دروازے پر کھڑی ہو کر شوہر کے گھر واپس آنے کا انتظار کرتی تھی۔ اب بھی ان کے شوہر ہر تیوہار پر خوبصورت چوڑیاں اور عطر کی شیشی لاتے تھے۔ اب بھی دونوں بات بات پر مل کر قہقہے لگاتے تھے بچے منہ بند کر کے ہنسا کرتے تھے۔

"ذرا ابّا امّاں کو دیکھو"

تینوں بچے بڑے ہو گئے تھے ان کے شوہر کے ریٹائر ہونے میں چند مہینے رہ گئے تھے اور اب وہ اپنے آبائی مکان میں رہ کر کسی بزنس کے بارے میں سوچ رہے تھے اس لئے کہ ابھی ان کے ارادے جوان تھے۔ دل جوان تھا اور زندگی کا ولولہ پوری طرح ان میں موجود تھا۔

کون کہہ سکتا تھا کہ وہ اتنی جلدی، یوں اچانک دنیا کو چھوڑ دیں گے

www.taemeernews.com

اپنے سارے جذبوں، ولولوں اور ترنگوں کو لئے ہوئے آبائی مکان کے بجائے قبر کی گود میں جا سوئیں گے۔ کوئی بھی تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ بے جان پڑے ہیں ایسا لگتا تھا سو رہے ہیں بہت گہری اور میٹھی نیند، چہرے کی سرخی بھی تو سفید نہیں ہوئی تھی، لبوں کی وہ مسکراہٹ بھی تو دور نہ ہو سکی تھی مسکراتے چہرے اور روشن آنکھوں والے انوار میاں، اس اپنی آخری شام کو بھی اسی شان سے گھر آئے تھے۔ معمول کے مطابق چائے پی تھی۔ بیوی سے ذرا ہنسی ٹھٹھول کیا تھا۔ پھر نماز پڑھی تھی اس کے بعد تینوں بچوں سے باتیں کرتے رہے تھے۔ پھر کھانا کھایا تھا پھر آنگن میں ٹہل ٹہل کر مناجات پڑھتے رہے تھے پھر پان کھایا تھا اور حسب معمول کوئی کتاب لیکر لیٹ گئے تھے جب اُن کو نیند آنے لگی تو بولے۔

"بیگم بتی بند کر دینا"

بتی بند کر کے وہ اپنے بستر پر جانے لگیں تو دھیرے سے بولے۔

"ذرا سنو تو"

"اَئے ہے بس ہوش کی دوا کرو۔ اللہ رکھے بچے سیانے ہو گئے ہیں" وہ نئی دلھن کی طرح لجا گئی تھیں۔

"بچوں کے سیانے ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم جوان ہیں اور تم ..... تم خدا کی قسم اب بھی حسین ہو"

اور صبح کو۔

اللہ۔ صبح کو قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔

"اَئے میں کہتی ہوں کب تک سوئیں گے۔ نماز بھی قضا ہو گئی۔ نہانے کا پانی بھی ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے" انھوں نے انوار میاں کے منہ پر سے چادر

www.taemeernews.com

کھینچ لی۔

وہ سو رہے تھے لبوں پہ مسکراہٹ تھی چہرے پر آسودگی۔

"اٹھئے بھی کیا بنے پڑے ہیں" وہ تنک گئی تھیں۔

وہ سوتے رہے۔

ٹس سے مس نہ ہوئے۔

انھوں نے ہلایا ڈلایا۔ ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو برف کی طرح سرد اور لکڑی کی طرح سخت ——:

گھبرا کر وہ چیخیں۔

"بانو، اختر، منوّر دیکھو تمھارے ابا کیسا سوئے ہیں"

پھر وہ دھم سے بیٹھ گئیں جہاں کھڑی تھیں اور جہاں اب تک بیٹھی ہوئی تھیں گھر —— مردوں اور عورتوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ فضا آہ و بکا سے بھر گئی دن گزرا، رات آئی اور اب، اب پورے پانچ بج رہے تھے صبح کے ——! انوار میاں زمین کا پیوند ہو چکے تھے۔ ان کا نرم بستر فقیر کو دیا جا چکا تھا۔ چارپائی آنگن کے ایک کونے میں کھڑی کر دی گئی تھی جسم سے اتارے گئے کپڑے بھی محتاجوں کو تقسیم کئے جا چکے تھے اور اب ان کی کوئی نشانی ایسی نہ تھی جو سامنے نظر آتی ——!

کھانا کھانے کے بعد بانو پھر ان کے پاس آگئی۔

"اماں۔ وہ سسک کر بولی۔ اللہ۔ کچھ تو بولئے میرے ابا کہاں چلے گئے؟ یہ ان کی نماز کا وقت ہے انھوں نے مجھ سے وضو کا پانی نہیں مانگا —— جائیے کے لئے آواز نہیں دی۔ اماں! ابا کہاں چلے گئے کچھ تو بتایئے۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

www.taemeernews.com

وہ بانو کا کلیجہ پھٹنے سے کیسے بچاتیں کہ ان کا کلیجہ خود پھٹ رہا تھا وہ اندر ہی اندر ٹوٹ گئی تھیں بکھر گئی تھیں، ریزہ ریزہ ہوگئی تھیں۔ لہولہان ہوگئی تھیں ہاں بس، ان کی آنکھیں خشک تھیں اور یہ خشک آنکھیں بانو کی آواز پر بانو کی سسکیوں پر بھی نہ بھیگیں۔ وہ تو ایک کونے میں رکھی ہوئی اس پلیٹ کو دیکھ رہی تھیں جو، ہاں جو اُن کے شوہر نے کھیر کھا کے پلنگ کے نیچے کھسکا دی تھی لوگوں کے آنے جانے اور ٹھوکروں سے یہ چھوٹی پلیٹ پھسل کر دروازے کی آڑ میں چلی گئی تھی اب ان کا پلنگ ہٹا تو وہ صاف نظر آنے لگی۔ چینی کی بے داغ سفید پلیٹ جس کے کناروں پر اب بھی کھیر جمی ہوئی تھی اور مکھیاں اس پر بھنبھنانے لگی تھیں۔ ان کے دل میں درد کا ایک گولہ سا اُٹھا — ایسا کہ ان کا سارا وجود دہل کر رہ گیا — بے پناہ درد، ناقابلِ برداشت ہیٹس۔ یہ آخری اور بے حد تازہ نشانی تھی ان کے شوہر کی —!

"بیگم بھئی ہمیں تو بھوک لگنے لگی" وہ ہنس کر بولے تھے۔

"توبہ ہے۔ وہ شرما کر ہنس دی تھیں۔ پھر اُٹھ کر نعمت خانے سے کھیر کی پلیٹ نکال لائی تھیں بہت آہستہ آہستہ گئی تھیں بہت دھیرے سے نعمت خانہ کھولا تھا تاکہ بچے سُن نہ لیں۔ اندھیرے میں چمچہ نہیں ملا تھا۔ انوار میاں نے بچوں کی طرح انگلی سے کھیر کھائی تھی پھر جھک کر پلیٹ پلنگ کے نیچے کھسکا دی تھی۔

"وہی بچوں جیسی عادت!" وہ محبت بھری خفگی کے ساتھ بولی تھیں۔

"ڈانٹو نہیں بچوں کی ماں۔ صبح کو میں خود اس پلیٹ کو دھو کر رکھ دونگا"

اللہ اللہ۔ پلیٹ رہ گئی مگر وہ چلے گئے۔

بانو نے حیران ہو کر دیکھا، وہ جو پتھر کی طرح جمی بیٹھی تھیں بجلی کی طرح

www.taemeernews.com

اٹھیں لپکیں اور اس جھوٹی، مکھیاں بھنکتی پلیٹ کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا پھر لبوں سے پھر دل سے ..... ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا ــــ سنبھالنے کی کوشش کے باوجود چینی کی وہ چکنی اور نازک پلیٹ ان کے ہاتھ سے پھسل کے زمین پر گری اور گرتے ہی ایک دل خراش آواز کے ساتھ چور چور ہو گئی۔ پلیٹ کے ٹوٹتے ہی، ان کے لبوں سے ایک شگاف چیخ نکلی ــــ!

"ہائے"

اور وہ جو اپنے شوہر کی میت پر آنسو بہا نہ سکی تھیں اس چینی کی پلیٹ کے ٹکڑوں کو بٹورتے ہوئے بلک بلک کر رو رہی تھیں ــــ!

www.taemeernews.com

افسانہ

مجھے نہ پکارنا

بس میں بھیڑ بہت تھی۔ دم گھٹا جا رہا تھا۔ میں نے کھڑکی کے باہر منہ نکالکر دو تین گہری گہری سانسیں لیں۔ چند لمحے دھوپ کی تپش برداشت کی پھر سر کو اندر کھینچ لیا۔

چھوٹے بچے نے پھر پانی کی رٹ لگا دی۔ تھرماس میں پانی کب کا ختم ہو چکا تھا اور اس بھیڑ کو نانگھتے پھلانگتے باہر جا کر پانی لینا اور پھر اندر بس میں واپس آکر اپنی سیٹ پر پہونچنا ناممکن ہی نہیں محال تھا۔ اسی لئے میں اس کو بہلا پھسلا کر اور ڈرا دھمکا کر چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تھا کہ پانی کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔ میں نے تنگ آکر اس کے پھول سے رخسار پر چٹکی بھی بھری۔ ننھا سا کلی جیسا کان بھی اُمیٹھا مگر اس کی وہی ایک رٹ۔

"امّی پانی۔ امّی پانی"

میں نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کسی کے پاس پانی ہو تو مانگ لوں اور اس تلاش میں میری نظر سامنے کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی اس ادھیڑ عمر کی عورت پر پڑی اور جم کر رہ گئی۔ کہیں دیکھا ہے۔ کہیں دیکھا ہے۔

میں اپنے دماغ پر زور دے رہی تھی۔

اسی وقت اس عورت نے میری طرف دیکھا اور دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی اُبھری جو اِس بات کا واضح ثبوت تھی کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔

www.taemeernews.com

لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چمک ماند پڑ گئی جیسے لیمپ کی روشن بتی اندر تیل نہ ملنے سے بھڑک کر بجھ جاتے اس نے بڑی عجیب سی بے مہری اور بے رخی کے ساتھ اپنا چہرہ موڑ لیا اور ہاتھ اٹھا کر ساڑی کا آنچل برابر کرنے لگی۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں پڑی ہوئی سونے کی موٹی موٹی چوڑیاں آپس میں ٹکرائیں اور ان سے جو جھنکار نکلی اس نے گویا میرے دماغ کے پٹ کھول دیئے ان کھلے ہوئے پٹوں سے چاندی کی وہ چوڑیاں ٹکرا رہی تھیں جو سلیمن بوا کے ہاتھوں میں پڑی رہتی تھیں اور کام کاج کرتے ہوئے اسی طرح آپس میں ٹکرایا کرتی تھیں۔ میرے کان اس کھنک کو آج بھی اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے تھے۔

ہاں۔ یقیناً یہ سلیمن بوا تھیں۔

برسوں بعد آج انھیں دیکھا تھا۔ وہ بہت بدل چکی تھیں۔ اگر میں نے اُن کو اتنے قریب سے نہ دیکھا ہوتا تو پہچاننا شائد مشکل ہو جاتا۔

دُبلی پتلی کالی چمرخ سی سلیمن بوا چکنے سیاہی مائل گوشت کا ایک ڈھیر بن گئی تھیں۔ مسکین چہرے پر ایک اطمینان اور غرور تھا جو عموماً متمول لوگوں کے چہروں پر ہوا کرتا ہے ——! اپنے بھاری جسم پر اس بے پناہ گرمی میں بھی وہ کوئی ہزاروں کا سونا لادے ہوئے تھیں اور ان کی ساڑھی بھی خالص ریشم کی تھی اور جو پرس ان کی گود میں رکھا ہوا تھا وہ بے حد قیمتی تھا اور بے انتہا پھولا ہوا تھا۔

بچّہ بری طرح رو رہا تھا میں اس کو زبردستی تھپکتے اور چمکارتے ہوئے، کہیں دُور، بہت دُور، برسوں پیچھے بھاگی چلی جا رہی تھی۔

میں ننھی سی بچّی تھی جب یہ سلیمن بوا محض میری دیکھ بھال کے لئے رکھی گئی تھی ان دنوں سلیمن بوا بہت پریشان تھیں۔ ان کے تیسرے شوہر نے ان کو طلاق دے

www.taemeernews.com

دی تھی۔ اور لڑکے کو بھی ان سے چھین لیا تھا۔ سلیمن بوا نے اپنی ساری ممتا میرے اوپر نچھاور کر دی اور میں، جو اپنی ماں کی توجہ اس لئے کم پانے لگی تھی۔ کہ مجھ سے چھوٹے دو اور بچے ہو گئے تھے اور اماں بے چاری مجبور تھیں کہ مجھے دیکھتیں یا میرے دونوں چھوٹے بھائیوں کو سنبھالتیں یا پھر اتنی لمبی چوڑی گھر داری سنبھالتیں، ان کی توجہ اور ممتا کی بھوکی ترسی میں سلیمن بوا کو پاکر نہال ہو گئی۔ میں ان کی ایسی عاشق ہوئی کہ رات کو بھی ان ہی کے پاس رہتی۔ ابا جان مجھے سوتے پاکر سلیمن بوا کے بستر سے اٹھا لیجاتے لیکن جیسے ہی میری آنکھ کھلتی میں پھر بھاگ کر سلیمن بوا کے پاس پہونچ جاتی۔ وہ جاگ کر ہنس کر بڑے پیار سے مجھے چمٹا لیتیں ——

"آگئیں میری رانی بیٹیا ....." اور پھر ان کی باریک لوچ دار آواز وہ مخصوص لوری گانے لگتی جس کو سنکر میں پٹ سے سو جاتی۔

مجھے نہلانا، میرے کپڑے بدلنا، کنگھی کر کے پٹیاں گوندھنا، یہ بڑا بڑا کاجل لگانا، کھلانا پلانا، سلانا، کہانیاں سنانا، باہر ٹہلانے لے جانا یہ سب کام ان کے ذمے تھے جن کو وہ بڑی خوشی اور انہماک سے انجام دیتیں۔ اماں میری طرف سے مطمئن اور بے فکر ہو کر دوسرے بچوں میں لگ گئی تھیں۔ بڑے بھائی اور آپا مجھے چڑھاتے۔

"دیکھنا پروین کی بوا کیا کالی بھتنی سی ہے"

"ارے پوری بھینس ہے دبلی مریل بوڑھی بھینس"

"شیطان کی خالہ ہے"

"کاجل کی ڈبیہ ہے"

میں رو رو مرتی۔

"ہائے میری بوا کو کالی نہ کہو، بھتنی نہ کہو، شیطان کی خالہ نہ کہو۔

www.taemeernews.com

روتی روتی میں ان کے پیچھے دوڑا کرتی۔ ان دونوں کو مارنے کاٹنے اور بھنبھوڑتے کے لئے۔ سلیمن بوا یہ سب سُن کر بس مسکرا دیا کرتیں اور میرا دونا لاڈ پیار کرنے لگتیں میں کتنی بڑی ہو گئی تھی پھر بھی ان کی گود میں لدی رہتی۔ محرم میں ماتم یا ے تاریخ کا قدرتی علم دیکھنے کے لئے میں محلہ ملکنپوڑے سے اتنی دُور خورد پوری اور سید واڑہ ان گود میں لد کر جایا کرتی، وہ ہانپ جاتیں تھک کے چُور ہو جاتیں مگر نہ میں ان کی گود سے اترتی نہ وہ مجھے اتارنے پر راضی ہوتیں۔

کوئی ٹوکتا بھی۔

"ارے سلیمن بوا ماشاء اللہ پورے بیل کو کولھے پر لادے ہو۔ پھیپھڑا پھٹ جائے گا تمھارا"

تو بے حد برا مانتیں۔

"پھٹنے دو میرا پھیپھڑا، میرا ہی پھٹے گا تمھیں کاہے کو فکر ہے۔ بڑی آئیں میری بٹیا کو نظر لگانے والی۔"

گھر آکر وہ میری نظر اتارتیں۔ مُٹھی بھر بھر کر نمک بھوسی کالی مرچ وہ سات دفعہ میرے سر اوپر سے اتار کر چولھے میں جھونکتیں، تو میں بڑے غرور سے گردن اکڑا کر بڑے بھائی اور آپا کو دیکھتی، لو بھلا انھیں کہاں نصیب اتنی چاہنے والی کالی بھتنی سی بُوا۔

بچپن چھوٹا۔ جوانی نے گلے لگایا پھر بھی سلیمن بُوا میرے اتنے ہی قریب رہیں اسی طرح ممتا اور محبت نچھاور کرتی رہیں۔ میں اب بھی ان کے ساتھ سوتی تھی۔ ہاں فرق اتنا ہو گیا تھا کہ اب وہ میری پائینتی لیٹا کرتی تھیں۔ اب بھی رات کو جب مجھے نیند نہ آتی تو وہ مجھے لوری سنانے لگتیں۔

"چندن کا ہے پالنا ریشم کی ہے ڈور۔ جیئو میری رانی بٹیا اللہ تعالیٰ تیرا بڑا زور......"

www.taemeernews.com

میں ہنس دیتی۔

"اللہ بوا اب تو ڈری نہ سنایا کرو میں بڑی ہوگئی ہوں"

"لاکھ بڑی ہوجاؤ میرے لئے وہی ہو بالشت بھر کی ننھی سی گڑیا" ان کے لہجے میں شہد ہی شہد ہوتا۔

سلیمن بوا نے تین شادیاں کی تھیں۔ دو شوہروں سے کوئی بچہ نہ ہوا۔ ان دونوں نے بوا کو اسی وجہ سے طلاق دی تھی کہ بوا بانجھ ہیں مگر تیسری شادی جو ہوئی تو بقول شخصے نویں مہینے ہی بوا کی گود بھر گئی۔ یہ شادی پانچ سال چلی بوا کی کم نصیبی نے پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ میاں کا ایک عورت سے دل لگ گیا۔ وہ کمبخت گوری بھی تھی اور گداز بھی۔ بوا یہ برداشت نہ کر سکیں، ان کا کہنا تھا وہ عورت کالی نہ سہی سانولی ہی ہوئی اور دبلی ہوتی تو شاید وہ اس کو برداشت کر لیتیں کہ اسلام نے مردوں کو چار عورتوں کا حق دیا ہے لیکن سوت کا گورا اور گداز پن اور اس کے نخرے جو وہ اُن کے شوہر کو دکھاتی تھی بوا کے برداشت سے باہر تھے، نتیجہ یہ ہوا میاں نے طلاق دیدی گھر سے نکال دیا بچہ چھین لیا اور غم رسیدہ ہاری دھتکاری سلیمن بوا گھر گھر کام کاج کرکے اپنا پیٹ پالنے لگیں چچا میاں نے ایک گھر میں ان کا کام اور ستھرائی اور تمیز داری دیکھی تو انھیں اماں کے پاس پہونچا دیا۔ اماں کو ایسی ہی عورت کی ضرورت تھی انھوں نے بوا کو ہاتھوں ہاتھ لیا کھانا، کپڑا تنخواہ، پان تمباکو بیماری میں دوا علاج بستر بچھاون بس اور کیا چاہیئے بوا کو۔ خوب جم کر رہیں بوا، پورے سولہ برس رہیں بچے بڑے ہو گئے بڑے ادھیڑ ہو گئے بوا ہمارے گھر کا ایک اہم پرزہ بن گئیں، ہمارا کوئی کام بوا کے بغیر چل ہی نہ پاتا خاص کر میرا۔

لیکن ایک دن۔

www.taemeernews.com

ایک دن ایک اکیس برس کا اونچا تنومند سنت نگہرا سلونا نوجوان ہمارے دروازے پر آکھڑا ہوا اس نے پکارا۔

"اماں!"

بوا جو میرے لئے ابٹن پیس رہی تھیں اس آواز کو سنتے ہی دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔ اُن کا ہاتھ رکا تو چاندی کی چوڑیوں کا چھنکنا بند ہوگیا

"کون ہے؟" بڑے بھائی نے ڈپٹ کر پوچھا کیونکہ وہ نوجوان سیدھا اندر گھسا آرہا تھا۔ نیلی پتلون، سفید قمیص ہاتھ میں ایئر بیگ کلائی میں سونے کی خوبصورت گھڑی، چرمُراتے جوتے۔

سب ٹھٹھک کر رہ گئے۔

"میں ہوں۔ کلیم۔ اس نے رُک کر کہا۔ اماں کو لینے آیا ہوں!" اس نے بوا کی طرف اشارہ کیا۔

بوا نے اکیس برس کے اس نوجوان کے اندر اپنے پانچ سال کے کلوا کو بلبلاتا دیکھ لیا تھا ایک چیخ مار کر وہ دوڑیں۔

"کلوا"

"اماں"

اور دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے میں سما گئے۔

اف! بے مروّت، بے وفا سلیمن بوا ایک دم سب بھول گئیں اپنے یہ سولہ برس جھٹک کر یوں دُور پھینکے جیسے اتنے ڈھیر سے دِن ان کی زندگی سے ایک پل میں نکل گئے ہوں۔ انھوں نے اس مہکتے بکھرے اُبٹن کو بھی نہ بٹورا جو چکی کے ارد گرد پڑا تھا اور جس کو پیستے ہوئے وہ مہک مہک کر گا رہی تھیں۔

"گنگا جمنی تیری سسرال سے آیا سہرا۔ ابّا میاں نے کھڑے ہو کے بندھایا سہرا۔۔۔"

www.taemeernews.com

میں سن بیٹھی رہ گئی بس ٹکر ٹکر بوا کو دیکھتی رہی - ان کا بیٹا کلیم ان کو لینے آیا تھا - روتا بلکتا کلوا اب کلیم احمد بن گیا تھا - اس کا باپ مر گیا تھا اور اس کی سوتیلی ماں برسوں پہلے ہی اس کے باپ کو چھوڑ کر کسی اور آدمی کے ساتھ فرار ہو گئی تھی لہذا اب اپنے باپ کی بے پناہ دولت کا وہ تنہا وارث تھا - باپ کی بیڑی کٹی تو وہ ماں کا پتہ لگاتے لگاتے ہمارے یہاں پہونچا اور دو گھنٹے کے بعد ہی بوا کو لیکر چلتا بنا ان دو گھنٹوں میں بوا صرف ایک دفعہ میرے پاس آئی تھیں وہ بھی جاتے وقت -

" جا رہی ہوں بی بی - اللہ تم کو خوش رکھے "

میں نے سوچا تھا بوا بلک بلک کر روئیں گی، مجھے کسی ننھی بچی کی طرح گود میں بھر لیں گی کلیم سے لڑیں گی -

" واہ میں کیوں جاؤں - اپنی بیٹی کو چھوڑ کر بڑا آیا مجھے چھڑانے والا "

مگر نہیں، بوا کی آنکھوں میں نمی تک نہ تھی ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، کالا کلوٹا چہرہ جو مجھ کو سلونا نظر آتا تھا - خوشی کی زیادتی اور خون کی تمتماہٹ سے اور سیاہ ہو گیا تھا -

" جا رہی ہو بوا ؟ " میرا گلا رُندھ گیا تھا -

" ہاں بیٹی - اللہ میرے کلوا کو سلامت رکھے بہت بڑا آدمی بن گیا ہے کہہ رہا تھا میری بڑی بے عزتی ہوتی ہے جو تم دوسروں کے ٹکڑوں پر پڑی ہو - میرے گھر پر خود لوگ پل رہے ہیں - ٹھیک بھی ہے اس کا کہنا - ایسے کب تک زندگی گزارتی - اچھا خدا حافظ " یہ کہہ کر انھوں نے بس نام کو میرا سر تھپکا اور بغل میں دبی ہوئی اپنے کپڑوں کی پوٹلی کو ٹھیک کرتی یہ جا وہ جا میں دیکھتی ہی رہ گئی ——

پھر اڑتی پڑتی خبریں سنتی رہی - بوا کلکتہ میں ہیں بڑے مزے میں ہیں - کلیم کی ایک نہیں کئی دکانیں کھل گئی ہیں - کپڑوں کی، جوتوں کی، اور جنرل مرچنٹ کی

www.taemeernews.com

تو تھی ہی ـــــ موٹر بھی آگئی۔ فلیٹ بھی بن گیا ہے۔

اور آج۔

برسوں کے بعد میں سلیمن بوا کو پھر دیکھ رہی تھی ـــــ!

نظر تھی کہ ان کے اوپر سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بچّہ میری گود میں روتے روتے نڈھال ہو چکا تھا اور اب سوکھی سوکھی سسکیاں بھر رہا تھا۔

اللہ! یہ سنگدل بے مروّت بوا کبھی کس چاؤ سے کہا کرتی تھیں۔

"اتنی عمر یہاں گزری، اب جو رہ گئی ہے رانی بٹیا کے ساتھ اللہ رکھے ان کی سسرال میں گزر جائے گی بٹیا کو پالا ہے اب ان کے بچے بھی پالوں گی۔ آنکھوں کے تارے بنا کے رکھوں گی۔" اور اس وقت میں سامنے تھی۔ میرے دونوں بچے بھی سامنے تھے۔ میرا بچہ پیاس کے مارے رو رہا تھا اور سلیمن بوا نے کس مزے سے ابھی اپنے بہت ہی خوبصورت بیش قیمت تھرماس سے پانی انڈیل کر پیا تھا پھر بڑی نفاست سے رومال سے منہ پونچھا تھا اور تھرماس بند کر کے باسکٹ میں رکھتے ہوئے انھوں نے میری طرف یا میرے پیاسے بلکتے بچے کی طرف ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالی تھی۔

میرا جی چاہ رہا تھا کہ پکاروں۔ "سلیمن بوا" مگر ان کے سرد رویّہ نے میرے ہونٹ سی دیئے تھے۔

"لو بہن! بچّے کو پانی پلا دو" ایک عورت بھیڑ کو چیر پھاڑ کر بڑی دِقّت سے میرے پاس پہونچی تھی اس کے ہاتھ میں پیتل کا چمچماتا گلاس تھا جس میں پانی تھا جو چھلک گیا تھا مگر پھر بھی بچے کے لئے بہت تھا۔

"بہت بہت شکریہ بہن!" میں بھرے گلے سے اتنا کہہ سکی۔

"شکریہ کیسا بہن جی۔ بچہ جان دیئے ے رہا تھا اب مجھ سے نہ ہو سکا کہ

www.taemeernews.com

خود پانی پی لوں اور وہ بلکتا رہے۔ کوئی ساتھ نہیں ہے کیا؟" وہ پوچھنے لگی۔
گلابی ساڑھی باندھے بڑی سی بندیا ماتھے پر سجائے وہ مہربان عورت یقیناً میرے لئے رحمت کی دیوی بن کر آئی تھی۔

"نہیں! میرے ہزبینڈ لکھنؤ بس اسٹیشن پر مجھے مل جائیں گے میں اپنے میکے سے آرہی ہوں۔ بلگرام سے" یہ بات میں نے اونچی آواز میں کہی۔ صرف سلیمن بوا کو سنانے کے لئے مگر وہ اسی طرح بے تعلق بنی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہیں۔

بچے نے جی بھر کر پانی پیا اور میری ٹھوڑی چھو کر ہنسنے لگا۔

"ہنسی آگئی۔ واہ بھئی واہ" وہ مہربان عورت گلاس لیکر واپس اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔ اتنے میں ڈرائیور آکر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس نے ہارن بجایا ——

خوش ہو کر بچے نے پوچھا۔

"امّی اب بچھ چلے گی؟"

"ہاں بیٹا اب چلنے ہی والی ہے"

"اہا، چل رہی ہے چل رہی ہے، اس نے اپنے ننھے منّے ہاتھوں سے تالی بجائی۔ دو تین آدمی اس کی معصوم خوشی دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میں نے بڑی امید سے سلیمن بوا کی طرف دیکھا کہ شاید وہ بھی ہماری طرف دیکھیں۔ شاید انکے چہرے پر بھی مسکراہٹ آئے۔ وہی پرانی مہربان اور محبت سے لبریز مسکراہٹ اور میں اپنے پرانے انداز میں لپک کر ان سے جا لپٹوں ——

"چھلو بوا"

مجھے جب ان کے اوپر بہت زیادہ پیار آتا تھا تو میں اُن کو چھلو بوا پکارنے لگتی تھی

www.taemeernews.com

مگر، ان کا چہرہ سپاٹ تھا کسی بھی جذبہ سے عاری ـــــ ان کے برابر بیٹھا آٹھ نو سال کا لڑکا شائد ان کا پوتا ہوگا وہ اس سے باتیں کر رہی تھیں۔

وہی آواز، وہی لہجہ ہونٹوں کا وہی مخصوص کھنچاؤ۔ میرا ننھا بوبی اونگھنے لگا تو میں نے اس کو اپنے زانو پر لٹا لیا اور اس کے نرم نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی غیر ارادی طور پر گنگنانے لگی۔

بس ابھی رُکی ہوئی تھی شاید کسی سواری کا انتظار تھا اِسی لئے میری گنگناہٹ سلیمن بوا تک بہت آسانی کے ساتھ پہونچ گئی۔

"چندن کا ہے پالنا ریشم کی ہے ڈور۔ جیوے میرا راجہ بیٹا ....."

اور یکایک، ایک عجیب بہت عجیب بات ہوئی۔ سلیمن بوا کے سرد بے تعلق چہرے پر ایک چمک سی آئی۔ ان کی نظریں میرے چہرے سے ہوتی ہوئی بوبی پر آکر ٹھہر گئیں میرا دل زور زور سے دھڑک اٹھا۔ میرے لب کپکپانے لگے دل میں اتھل پتھل ہونے لگی میں منتظر تھی۔ اب اٹھیں گی سلیمن بوا۔ اور اب وہ جھپٹ کر بوبی کو میری گود سے لیں گی اور اب اپنے کلیجے سے لگائیں گی اور اب۔ اب ان کے ہونٹ وہی مخصوص میٹھی لوری بڑے پیار سے گنگنانے لگیں گے۔

"چندن کا ہے پالنا ریشم کی ہے ڈور ....."

وہ اٹھیں۔ اور درمیانی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص سے بولیں۔

"اونچے۔ تو ادھر میری سیٹ پر بیٹھ جائیں ادھر بیٹھ جاؤں"

وہ ذرا کسمسایا جز بز ہوا مگر سونے کی چوڑیوں کی کھنک مقیتی ساڑھی کی چمک اور سلیمن بوا کے چہرے کی رعونت نے اس کو مرعوب کر دیا وہ اٹھ کر سلیمن بوا کی چھوڑی ہوئی جگہ پر جا بیٹھا اور سلیمن بوا، اپنا بھاری جسم سمیٹ کر اس کی جگہ پر دھنس گئیں اب ان کی پیٹھ میری طرف تھی۔

www.taemeernews.com

سب کچھ بدل گیا تھا مگر ان کا جوڑا نہیں بدلا تھا — وہی پہاڑی آلو جیسا جوڑا اور اس کے گرد بندھا ہوا سُرخ فیتہ۔ پہلے اس فیتہ کی جگہ دھاکہ کا بٹا ہُوا ٹھرّا ہوا کرتا تھا۔ میرے دل میں گدگدی سی اٹھی — میں سب کچھ بھول گئی۔ ان کی سرد مہری، ان کا بہروپ، کھچا کھچ بھری ہوئی بس ہارن پہ ہارن دیکر کسی پسنجر کا انتظار کرتا اور گالیاں بکتا ہوا ڈرائیور۔

میں، وہی شوخ کھلنڈری پروین بن گئی جو کبھی، دن میں کم از کم پندرہ بار شرارت سے بوا کا ننھا سا کسا بندھا ہوا جوڑا ہلا ہلا کر ڈھیلا کر دیا کرتی تھی اور بوا محبت بھری جھڑکیاں دیکر اپنی ننھی سی چھپکلی کی دُم جیسی چوٹی کو خوب بل دے دیکر اور سُرخ ٹھرّا دانتوں میں دبا کر نئے سرے سے جوڑا باندھنے لگتی تھیں۔ میں نے ہاتھ بڑھایا اور چپکے سے اُن کا جوڑا بکھیر کر ہلا دیا بجلی سی دوڑ گئی ان کے بدن میں۔ وہ مڑیں اور گھور کر میری طرف دیکھا۔ میں مُسکرائی پھر ہنس پڑی۔

"بوا" میں نے بڑے پیار سے بڑی نلک سے کہنا چاہا لیکن .....!

بڑی تیز بڑی سرد آواز میں اور بڑی ناگواری کیساتھ انھوں نے سرگوشی کی۔

"دیکھو خبردار۔ مجھے بوا نہ پکارنا میری انسلٹ ہوگی۔ کہنا ہو تو خالہ جی کہو آنٹی جی کہو ہاں ..... یاد رکھو ....."

ان کی بڑبڑاہٹ بس کے انجن کی تیز آواز میں دب گئی لیکن میں دیر تک ان کی تلخ آواز کی گونج کو سنتی رہی۔

مجھے نہ پکارنا۔ مجھے نہ پکارنا۔ مجھے نہ پکارنا۔

www.taemeernews.com

افسانہ

نوحۂ غم ہی سہی

میاں کو خالی ہاتھ آتے دیکھ کر ان کا دل بیٹھ گیا۔

"تو آج بھی کوئی خط نہیں آیا" وہ بڑبڑائیں اور اپنی بوڑھی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی محسوس کرکے جھلاّ پڑیں۔

"چل موئے دور ہو۔ دماغ پھاڑے ڈال رہا ہے، انھوں نے دور آنگن کی دیوار پر بیٹھے کائیں کائیں کرتے ہوئے کوّے کو ہاتھ دکھایا۔

میاں دھیرے دھیرے برآمدے میں آئے چھتری کھمبے سے ٹکائی اور "یااللہ" کہہ کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر دھر کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔ بانس کا پلنگ زور سے چرچرایا تو بی امّاں کے سکڑے سمٹے لبوں پر جانے کہاں سے ایک مری مری سی مسکراہٹ آگئی ــــــ!

"کیوں؟ میاں نے حیرت سے پوچھا، مسکرائیں کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔ بی اماں ہنس دیں۔ پلنگ جو چرچرایا نا سچ جانو ایسی آواز نکلی جیسی کبھی اختر کے رونے کی ہوا کرتی تھی۔

"اختر کے رونے کی؟"

"ہاں جب وہ مہینہ بھر کا تھا" بی اماں کی آنکھیں گویا ایک ماہ کے اختر کو گبھے پر پڑا دیکھنے لگیں۔ جب بھوکا ہوتا تو ننھے ننھے ہاتھ پاؤں ہلاتا گول گول لب سکیڑتا منہ اِدھر اُدھر پھیرتا اور چوں چوں جیسی آوازیں نکالتا" وہ ہنس رہی تھی ــــــ

www.taemeernews.com

مُرغی کا بچّہ ..... نہیں نہیں بلّی کا بچّہ ....."

"کتنا خوبصورت تھا اختر بچپن میں - میاں مندی مندی آنکھوں سے اختر کا بچپن دیکھنے لگے۔ بالکل چینی کا بنوا۔"

"اور تندرست بھی کتنا تھا۔ گالوں پر ٹماٹر دھرے رہتے تھے"
اماں کے لہجے میں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔

"آنکھیں جگنوؤں کی طرح چمچماتی تھیں" میاں سامنے کی دیوار پر اختر کے بچپن کی فلم چلتی دیکھ رہے تھے۔ دوڑتا ہوا اختر۔ کھلکھلاتا ہوا اختر۔ دودھ پیتا ہوا اختر۔ کھلونوں سے کھیلتا ہوا اختر۔ ضد کرتا ہوا اختر۔ مرغی کے چوزوں کے پیچھے بھاگتا ہوا اختر۔ مٹھو میاں کو ستاتا ہوا اختر۔ ان کی گود میں چڑھا ہوا اختر۔

"ارے وہ اب بھی کون سا بڑا ہے" بی اماں فخر و ناز کے انداز میں بولیں لاکھوں میں ایک ہے میرا شہزادہ"

"بس ذرا دُبلا ہو گیا ہے" میاں فکرمندی سے بولے۔

"محنت بھی تو جی جان سے کرتا ہے" بی اماں قلق سے بولیں اتنا کہا بیٹا اپنا خیال رکھا کرو۔ اتنی محنت نہ کیا کرو۔ جان ہے تو جہان ہے مگر نہیں سنا اس نے بس وہ مردی سگریٹ اور دم پہ دم چائے۔ ہائے۔ انھوں نے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا۔ میرا تو کلیجہ دہلتا ہے ارے پینا ہے تو بابا دودھ پیو، پھل کھاؤ کچھ خون بنے۔ صحت سدھرے مگر کہا نا سنتا ہی نہیں!"

"ارے ضدّی تو بچپن کا ہے"

"تم ہی نے اس کو ضدی بنایا ہے۔ بی اماں نے شکایتی نظروں سے میاں کو دیکھا۔ ہر جا بے جا ضد پوری کی ڈانٹنا کھڑکنا درکنار ٹیڑھی نظر سے نہ دیکھا اسی ڈھیل میں وہ خود سر ہو گیا۔

www.taemeernews.com

"مگر کسی بری راہ پر نہیں لگا میرا بیٹا۔ میاں نے سینہ تان لیا۔ ہمیشہ پڑھائی میں فرسٹ آیا اچھی نوکری ملی خدا کے فضل سے ہزاروں میں اچھا ہے۔"

"اللہ نظر بد سے بچائے"۔ بی اماں نے تصور میں اختر کی پیشانی چوم لی۔ پھر وہ پائنداں بند کر کے اٹھیں۔

"کہاں چلیں؟" میاں نے پوچھا۔

"اپنے بچے پر سے نمک بھوسی اتار دوں۔ ماں باپ ہی کی نظر زیادہ لگتی ہے"

وہ جھکی جھکی دھیرے دھیرے باورچی خانہ میں چلی گئیں۔ کمبخت کمر کے درد نے وقت سے پہلے ہی جھکا دیا تھا اِدھر اُدھر ٹٹول کر انھوں نے ہتھوڑی سے آٹے کی چوکر اور نمک کی کنکریاں نکالیں ایک لال مرچ اور پیاز کے چھلکے لئے مٹھی میں دبائے برآمدے میں واپس آئیں۔

"دم پھول گیا دو قدم چل کے۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانسوں میں بولیں۔ لکھا بیٹا میرے لال کچھ روپے بھیج دو کمر کی دوا کرلوں روز روز کے درد سے مری جاتی ہوں مگر.... پھر وہ خود ہی بولیں۔ چھٹی نہ ملی ہوگی اسے من یا ڈر (منی آرڈر) کرنے میں بھی وقت لگتا ہے"

"بیوی سے روپے مانگنے میں بھی وقت لگتا ہے"۔ میاں نے ایک آہ بھری دونوں چند لمحوں کے لئے چپ ہو گئے کوا اسی کربناک آواز میں چلائے جا رہا تھا۔ پھر بی اماں چونکیں ایک آہ انھوں نے بھی بھری اور اپنا بستر جو ایک دری ایک چادر اور ایک چوہا سے تکئے پر مشتمل تھا الٹا پلٹا تکیہ کے غلاف کے اندر سے ایک پوسٹ کارڈ سائز فوٹو نکالا اور اس کو دیر تک دیکھتی رہیں۔ جی زیادہ چلبلایا تو تصویر کی پیشانی چٹ سے چوم لی۔ میاں کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی انھوں نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"لاؤ دیکھوں!"

www.taemeernews.com

دہ ڈرتی ہوں " بی اماں نے سات بار نمک پھوسی کی بند مٹھی تصویر پہ سے اتاری اور بدبداتی رہیں ——

" نظر گزر گئی میرے اختر کو ہوا نہ لگے اس کا بال نہ بلے اس کو چھینک بھی نہ آئے " انھوں نے فوٹو میاں کی طرف بڑھا دیا اور جھکی جھکی کمر لئے باورچی خانے میں چلی گئیں۔

فوٹو اختر کا تھا۔ اس زمانے کا جب وہ نیا نیا نوکر ہوا تھا۔ نیا سوٹ بنوایا تھا اس کو پہن کر بقول بی اماں کے صاحب بہادر اور جنٹلمین بن گیا تھا اور اسی ٹھاٹ میں فوٹو کھنچوایا تھا۔ تب، اختر —— کا بڑا ہی پیارا سعادت مند بیٹا ہوا کرتا تھا۔ پیار تو خیر تھوڑا بہت وہ اب بھی کرتا تھا لیکن سعادت مندی کی جگہ لاپرواہی خود سری اور کچھ کچھ بے زاری آگئی تھی۔

اب وہ اپنی خوبصورت اسمارٹ بیگم کے اشاروں پہ ناچتا تھا۔ بیگم کی آنکھوں سے دیکھتا تھا، بیگم کے دماغ سے سوچتا تھا اور اب شائد اس کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اس کے بوڑھے والدین اتنے بڑے لق و دق آبائی مکان میں بھولی بھٹکی روحوں کے مانند پڑے ہیں۔ مکان جگہ جگہ سے گر چکا ہے اور گرنے والا ہے وہ کئی برس سے باپ دادا کی اس دہلیز پہ نہیں آیا تھا ماں بلاتے بلاتے ہار گئیں وہ حکام کی زیادتی کا بہانہ بنا کر ٹالتا رہا، ٹالتا رہا کتنی عیدیں اس کے بغیر گزر گئیں، ماں کے ہاتھ کی مزیدار سوئیوں کا مزہ بھی اسے یاد نہ رہا۔ میاں کی قمیص کا کالر بوسیدہ ہوتے ہوئے بالکل غائب ہو گیا بی اماں نے اس کو قینچی سے کاٹ کے ایک نیا ڈبل کف بنا دیا اور پاجامے کے پیوندوں کی انتہا نہ رہی تو انھوں نے اختر کو پھر بلایا وہ تب بھی نہ آیا تب میاں نے پاجامے کی جگہ تہبند باندھنا شروع کر دیا۔ خود بی اماں کے غرارے کا یہ عالم تھا کہ اس کا رنگ بھی

www.taemeernews.com

کسی کو یاد نہ رہا تھا اور ڈوپٹہ کی خستگی اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو اوڑھتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا اور ..... اور اب کس کس چیز کو رویا جاتا۔ اس چولھے کو جسے دو دو وقت کے بعد آگ نصیب ہوتی تھی یا اس لالٹین کو جس میں مٹی کا تیل بس مہینے پر ڈالا جاتا تھا — دونوں میاں بیوی رات کا کام دن میں ہی نپٹا لیتے کھانا اگر پکتا تو جلدی کھا لیتے نماز جلدی پڑھ لیتے دوسری ضروریات پوری کر کے وہ اپنے اپنے پلنگوں پر لیٹتے تو رات کی تاریکی میں بس کروٹ بدلنے میں ہی جنبش کرتے پلنگ کے نیچے پاؤں نہ اتارتے۔

گھپ اندھیرا، آنگن میں لگے امرود انار اور شریفے کے پیڑوں میں سنسناتی ہوئی ہوائیں جھینگا دڑوں کی چک چک اور پھڑپھڑاہٹ یا آوارہ بلیوں کے رونے اور غرّانے کی آوازیں۔

وہ دونوں سوتے سوتے جاگتے تو ایک دوسرے کو پکارتے۔

"میاں"

"ہاں بی بی"

"نیند نہیں آ رہی ہے"

"میرا بھی یہی حال ہے"

جب لمحے گزرتے پھر بی اماں بولتیں۔

"اختر اس وقت کیا کر رہا ہوگا؟"

"سو رہا ہوگا" میاں کھانس کر کہتے

"بڑی بے خبر نیند سوتا ہے۔ اماں ہنسیں پھر ایکدم گھبرا کر کہتیں۔ میاں کہیں وہ سگریٹ پیتے پیتے نہ سو گیا ہو۔ سگریٹ انگلیوں میں پھنسی نہ رہ گئی ہو میاں۔ اللہ خیر کرے میرے بچے کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔

www.taemeernews.com

"ارے نہیں۔ میاں تسلی دیتے۔ اب ایسا بے خبر نہیں ہے۔ ہاں سوتے میں لحاف البتہ اس کے اوپر نہیں رہتا ہے۔ کھلا پڑا رہتا ہے میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کو لحاف اڑھایا کرتا تھا۔

"ہائے گھٹنے سینے سے لگائے لگائے سکڑا پڑا رہتا ہوگا"

"اور کیا! بالکل ایسے ہی تو سوتا ہے بچوں کی طرح!"

میاں بیوی پھر چپ ہو جاتے۔ اسی طرح پڑے پڑے سو جاتے۔ صبح ہوتی۔ وہی بے کیف سونی سونی صبح۔ اس اجالے میں شکستہ دیواریں، ادھڑا آنگن اور جالے میں لپٹی چھتیں اور بھی وحشت ناک نظر آتیں۔ دونوں نماز پڑھتے پھر میاں کانپتے کراہتے گلی میں لگے میونسپلٹی کے نل تک جاتے اور مرتے جیتے جگہ جگہ پانی سے بھری بالٹی رکھتے اٹھاتے کسی نہ کسی طرح دو بالٹی پانی بھر لاتے۔ کبھی کبھی کوئی محلے والا ہمدردی میں بالٹیاں ڈیوڑھی میں رکھ جاتا۔ میاں ۱۵-بیس پیسے کا دو بوند دودھ، ایک پڑیا شکر اور پتے میں بکنے والی تمباکو کے مزے والی چائے کا ایک پتہ ٹکڑا کی دوکان سے لے آتے۔ بی اماں چولھا جلاتیں۔ المونیم کی پچکی کالی لکھٹ پتیلی میں چائے بنائیں۔ رات کی روٹی لے آتیں۔ دونوں صبر و شکر کے ساتھ سوکھی روٹی کے ٹکڑے چائے کے گھونٹوں سے نرم کر کے حلق سے اتار لیتے اور اس کے بعد پھر وہی دس بجے تک بیکاری —— بی اماں سے گھڑیاں کاٹے نہ کٹتیں کام ہی کون سا تھا جو کرتیں مصروفیت کون سی تھی جو ان کو الجھائے رکھتی، ایک سہارا، ایک دلچسپی کا ذریعہ یہ تھا کہ ٹھیک دس بجے میاں اپنی پرانی اچکن پہنتے۔ گھٹنا گھٹنا پاجامہ پہنتے اور لکڑی کے سہارے ڈاکخانے کی طرف چل پڑتے۔ بی اماں دروازے پر جا کر کھڑی ہو جاتیں

انتظار۔

اضطراب۔

www.taemeernews.com

بے چینی۔
شاید اختر کا خط آتا ہو۔
شاید اس نے منی آرڈر بھیج دیا ہو
شاید بوڑھے لجھرے ماں باپ یاد آگئے ہوں۔
کوئی پوچھتا۔

"بی اماں کھڑی کیوں ہیں؟"

تو بڑے چاؤ سے کہتیں۔

"اے اختر میاں کے خط کا انتظار ہے۔ میاں ڈاک خانے گئے ہیں۔"

پوچھنے والا ذرا دیر کو رکتا تو بی اماں اس موقع کو غنیمت جان کر ڈھیروں باتیں کر ڈالتیں۔ اختر کی باتیں۔ اس کے بچوں کی باتیں۔ اس کی دلھن کی باتیں۔ اس کے بڑے سے بنگلے اور جھپاتی موٹر کی باتیں۔ ان گنت نوکروں کی باتیں۔ ٹی وی اور فریج کی باتیں اور اگر کبھی پوچھنے والا پوچھ لیتا۔

"تو پھر آپ وہاں بھی وہاں کیوں نہیں چلے جاتے۔ اتنی تکلیف اور تنہائی بلاوجہ ہی تو جھیل رہے ہیں"

تب بی اماں دل کی ٹیسوں کو شفیق مسکراہٹ میں دبا کر کہتیں۔

"ارے کہاں جاؤں اس دہلیز کو چھوڑ کے اللہ رکھے وہاں سب کچھ ہے پھر بھی دل انہیں دیواروں کو ڈھونڈھا کرتا ہے"

وہ نکڑ سے مڑتے میاں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتیں دور سے ہی پوچھتیں۔

"خط آیا؟"

اور میاں کسی تھکے ہارے جواری کی طرح خالی ہاتھ دکھا دیتے۔ پھر وہی پہاڑ سا بے کیف دن اور آنے والی اجاڑ بھیانک رات۔

www.taemeernews.com

اختر کا خط آج بھی نہیں آیا تھا۔

پورے چھ مہینے گزر گئے تھے۔ بی اماں کا جی چاہ رہا تھا سارے صبر و ضبط کو بالائے طاق رکھ کر خوب زور زور سے روئیں۔ چلائیں۔ فریاد کریں۔ میاں کا چہرہ بھی کچھ ایسے ہی خیالات و جذبات کا آئینہ بنا ہوا تھا وہ اچانک بولے۔

"بی بی۔ یہ گھر نہ بیچ ڈالیں!"

"کیا؟" بی اماں پر جیسے آسمان پھٹ پڑا۔

"ہاں بی بی۔ میاں شدّت جذبات سے ہانپ سے گئے تھے۔ بس بہت صبر کیا میں نے اب برداشت نہیں ہوتا۔ غضب خدا کا اس ناخلف کو بوڑھے ماں باپ کا اتنا بھی خیال نہیں ہے کہ روپیہ پیسہ نہ سہی اپنی خیریت کے دو الفاظ لکھ بھیجے۔ جب اس کو ہم سے کوئی مطلب کوئی واسطہ نہیں رہا تو ہم لوگ کیوں جہنّم میں پڑے رہیں فاقوں کے دکھ جھیلیں چیتھڑوں سے بدن ڈھانپنے کی ناکام کوشش کریں۔ بی بی یہ یاد رکھو اختر یا اس کے بچے اس گھر کو بسانے نہیں آئیں گے۔ ہماری آنکھیں بند ہوتے ہی یہ مکان بک جائے گا پھر ابھی ہی کیوں نہ [illegible] دولت پچیس ہزار ایک شخص نے دام لگائے ہیں"

"۲۵ ہزار" بی اماں کا منہ کھلا رہ گیا۔

"پچیس ۲۵ ہزار میں ہماری بقیہ زندگی آرام سے گزر جائے گی۔ بی بی ہم نے برسوں سے نیا کپڑا نہیں پہنا، پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا۔ تیوہاروں کے دن بھی گھر میں خاک اڑا کرتی ہے۔ کوئی خوشی نہیں منائی ہم نے۔ وہ نالائق ہم کو پلٹ کے نہیں دیکھتا۔ ہم نے اس کے لئے اس کے مستقبل کے لئے اپنے کو خاک کر دیا۔ مگر وہ ایروں غیروں کو اپنے گھر میں مزے کراتا ہے اس کے نوکر تک ہم سے اچھا پہنتے اور کھاتے ہیں۔ بجلی کی روشنی اور پنکھوں کی ہوا اُن کو میسر ہے اور ہم لوگ، ہم دونوں

www.taemeernews.com

یہاں اس اجاڑ قبرستان میں زندہ بہ مشکل مُردہ دن گزار رہے ہیں!" وہ رک کر کھانسنے کھانسنے کر تھوکا پھر بولے۔

"سنا بی بی۔ ہم یہ مکان بیچ ڈالیں گے جو شخص مکان لے گا وہ ہم کو تاحیات اس برآمدے سے بے دخل نہیں کریگا۔ ہم کو اب دو پلنگوں کی جگہ ہی تو چاہیئے!"

"تو یہ مکان دوسرے کا ہو جائے گا" بی اماں حسرت سے بولیں۔ اس دہلیز پہ میری ڈولی اتری تھی میاں!"

"اور اطمینان رکھو اسی دہلیز سے تمہارا جنازہ بھی نکلے گا۔ میاں بے جان سی ہنسی ہنسے۔ بی بی میں اپنے دل پر پتھر رکھ چکا ہوں۔ ہم اس کو بنوا نہیں سکتے سنبھال نہیں سکتے۔ گرا جاتا ہے۔ زمیں بوس ہو رہا ہے کم از کم اس کو نئی زندگی مل جائے گی اور ہم کو جینے کا سہارا مل جائے گا۔"

"اختر آئے گا کہاں بیٹھے گا۔ کہاں ٹہلے گا۔"

"یہ خواب نہ دیکھو بیگم۔ میاں نے آہ بھری۔ اختر ہماری زندگی میں نہیں آئیگا۔"

"ایسا نہ کہو!" بی اماں تڑپیں۔ میرا اختر کبھی نہ کبھی تو آئے گا۔"

"میاں ایک درد بھری ہنسی ہنس پڑے اور زوردار لہجے میں بولے۔

"نہیں بی بی۔ اب کوئی نہیں آئے گا۔ مان جاؤ گھر کو فروخت کرنا ہی پڑے گا!"

"بی اماں کچھ نہ بولیں۔ سوچنے لگیں۔ سوچتی ہی رہیں۔ دھوپ سارے آنگن میں پھیل گئی تھی۔ چولھا اب بھی بجھا پڑا تھا۔ راشن اور مسالوں کے ڈبے خالی تھے اب پکنے اور پیٹ کا جہنم جھونکنے کے لئے کوئی بھی برتن یا صندوق یا پلنگ اور تخت نہیں بچا تھا ـــــ گھر کے بیکار لوہے اور ٹین کے سامان بھی بک چکے تھے میاں کے والد کی وکالت کی موٹی موٹی بیش قیمت کتابیں بھی ردّی کے بھاؤ جا چکی تھیں اب سوائے ان دیواروں اور مٹی کے رہ کیا گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں۔

www.taemeernews.com

آنکھوں کے سامنے پچیس ہزار کے بنڈل لڑھکتے پھر رہے تھے۔ سو سو کے نوٹ اڑتے پھر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پٹ سنہری گیہوں اور موتی جیسے خوشبودار چاولوں سے بھر گئے۔ ڈبّوں میں ٹھسا ٹھس مسالے بھر گئے۔ باورچی خانے سے دھواں نکل نکل کر آسمان کو چھونے لگا۔ سالن اور ارہر کی دال کے بگھار کی خوشبو گھر بھر میں چکرانے لگی۔ ایک پایہ ٹوٹی چوکی کی جگہ بڑا تخت اور تخت پہ سفید براق فرش لگ گیا۔ مخمل کی جانماز بچھ گئی۔ نیچے چمچاتا پیتل کا اگالدان سج گیا۔ کونے پر پیتہ بڑا مرادآبادی پاندان سج گیا۔ نواڑی پلنگ پر گدگدا بستر لگ گیا۔ سفید شفاف کرتے پاجامے میں میاں اس بستر پر نرم تکیوں سے ٹیک لگا کے نیم دراز ہوکر بے فکری کے عالم میں اقبال کا شکوہ جواب شکوہ گنگنانے لگے آنگن میں نوکرانی لرچیب جھاڑو لگانے لگی اور خود مخمل کی جانماز پر پاکیزہ ستھرے لباس میں ملبوس گردن موڑ موڑ کے باورچی خانے کے اندر کھانا پکاتی ماما کو ہدایت دینے لگیں۔

"بی بی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" میاں کچھ کہہ رہے تھے وہ خواب دیکھ رہی تھیں۔

زن سے دروازے پر آکے ایک شیشہ سی جھلملاتی موٹر رک گئی۔ پوں پوں ہارن بجا۔ بچوں کے میٹھے میٹھے شور کے ساتھ گورا چٹا چاند سا اختر اندر آیا۔

"اماں!" وہ بچوں کی طرح ہمکا۔

"دادی جان۔ دادا جان!" پوتی پوتوں نے گھیر لیا۔

"آداب ابّا جان!" بہو نے ادب سے سلام کیا۔

اُن کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آنکھیں چمک اٹھیں۔

"بی بی کیا سوچ رہی ہو؟" میاں حیران ہوکر پوچھ رہے تھے۔

وہ چونکیں۔ مسکرائیں پھر گمبھیر لہجے میں بولیں۔

"ہاں میاں میں نے سوچ لیا ہے۔ مکان بے شک بیچ ڈالو۔ ہمارا بڑھاپا

www.taemeernews.com

سوارت ہوجائیگا مگر میاں اس کی اطلاع اختر کو ضرور دینا۔"

"اختر کو؟ میاں بگڑ اٹھے۔ نہیں ہرگز نہیں"

"تم سمجھے نہیں میاں۔ بی اماں پُرسکون آواز میں بولیں — اس کو ہماری محبت لانے میں کامیاب نہ ہوسکی — ۲۵ ہزار کی خبر ڈوری میں باندھ کر کھینچ لائیگی دیکھ لینا میاں ایک بار پھر وہ اِس دروازے پر آئے گا۔ اس آنگن میں چلے گا — یہ دیواریں اس کی آوازیں سنیں گی

"میاں!" وہ بے قرار ہو اُٹھیں۔

"ابھی بیچ ڈالو یہ مکان اور ابھی تار دو اختر کو۔ ابھی ابھی۔ اسی وقت ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ میاں نہ سمجھ سکے یہ آنسو کیسے ہیں، خوشی کے یا غم کے ——————

www.taemeernews.com

افسانہ

آن

بستی بھر میں اگر کسی کا مکان اونچے پھاٹک اور بڑی بڑی برجیوں والا ہے تو وہ بی بی جی کا۔ اور تو سب ہی مکان تقریباً نئے ڈھنگ اور مختصر اونچائیوں کے بنے ہیں اور جو پرانے ڈھنگ کے ہیں بھی تو وہ بی بی جی کے اونچے پھاٹک اور بلند چہار دیواری کے آگے گڑھیوں کے گھروندے معلوم ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کبھی اس عظیم الشان پھاٹک کے آگے ہاتھی جھوما کرتے تھے۔ نوکروں کی ریل پیل رہتی تھی جو بیس گھنٹوں میں ایک لمحے کے لئے بھی چولھا ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ ایسی چہل پہل ایسی رونق رہتی تھی کہ یہ لگتا تھا کوئی برات اترنے والی ہو۔ یہ اونچا شاندار مکان کبھی "کاشانۂ ہاشم" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا مگر اب تو صرف بڑا مکان اس کا لقب رہ گیا تھا کبھی یہ عالم تھا اس بڑے مکان کا کہ ہر حاجت مند کی حاجت اس در سے پوری ہوتی تھی۔ بی بی جی کے سسر ہاشم علی، اللہ ان کو جنت نصیب کرے اُن کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔

وہ اپنے ہی خاندان کے سرپرست نہ تھے بستی بھر کی بیواؤں، یتیموں، اور غریبوں کے ولی تھے کوئی بھی حاجت مند خالی ہاتھ واپس نہ جاتا سیکڑوں شادیاں انھوں نے اس شان سے کی تھیں کہ اپنے بچوں کے کام کاج بھی ان کے سامنے ماند پڑ گئے تھے۔ معلوم نہیں کتنے یتیم اور بے سہارا بچوں کو پڑھا لکھا کر، وکیل، ٹیچر اور ڈاکٹر بنا دیا تھا۔

www.taemeernews.com

وہ شان، وہ دبدبہ وہ عروج مگر انکساری کا یہ عالم کہ ہر ایک سے جھک کر ملتے سلام میں سبقت ان کا ایمان تھا۔

ان ہی ہاشم علی تعلقدار کی بہو تھیں یہ بی بی جی ——— !

کسی وقت دلھن بی بی کے خطاب سے پکاری جاتی تھیں مگر وقت نے اب اتنی عزّت باقی رہنے دی تھی کہ بی بی جی کہی جانے لگی تھیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ یہی بی بی جی جب کہیں جاتی تھیں تو اس شان سے کہ ایک خادمہ مور کے پروں کا نازک سا پنکھا لئے عقب میں، دوسری بھاری چاندی کا خاصدان اور ننھا سا گنگا جمنی اگالدان لئے پہلو میں اور تیسری ان کے غرارے کے پائنچے سنبھالتی ہوئی پیچھے پیچھے چلتی تھی۔ جس گھر میں وہ جاتیں بی بیاں پلکیں بچھا دیتیں اپنی عزّت افزائی پر پھولی نہ سماتیں۔ ہر گھر میں انکے لئے نشست کی جگہ مخصوص ہوتی۔ کوئی دوسرا وہاں بیٹھنے کی ہمّت نہ کرتا۔ مجمع کے درمیان ایرانی قالین پر (جو اُن کے ہمراہ آتا تھا) وہ مہارانیوں جیسے ٹھسّے کے ساتھ بیٹھا کرتی تھیں اور اس وقت اُن کی آن بان دیکھنے والی ہوتی تھی۔

محلّے کے اور بچوں کی طرح میں بھی "کاشانۂ ہاشم" میں کھیلنے جایا کرتی تھی آراستہ کمرے، مخملیں گدّے، زرتار پردے، چھت سے باتیں کرتے شفاف آئینے آبنوسی مسہریاں، کرسیاں اور چوکیاں۔ میں حیرت سے ایک ایک چیز کو دیکھا کرتی مجھے یاد ہے ایک دفعہ دیہات سے آئی ہوئی دو گدّنیں گھی تول تول کر بڑے سے ٹین میں انڈیل رہی تھیں۔ ٹین کوئی دس پندرہ کلو کا ہوگا — گرمیوں کا زمانہ تھا مہکتا ہوا اصلی گھی میری اشتہا کو تیز کر رہا تھا میں کھیلتے کھیلتے ذرا ک جھاڑ کر گھر جانے کے لئے تیار ہوئی۔ میری چپلیں ایک گدّن کی ٹوکری کے نیچے دب گئی تھیں میں انھیں ٹوکری کے نیچے سے نکال کر جو پلٹی تو اتفاق کی بات گھی کے ٹین سے ٹکرا گئی۔ ٹین اُلٹ گیا۔ میرے اللہ۔

www.taemeernews.com

میرا تو دم نکل کے رہ گیا۔ سارا گھی پکے فرش پر سیلاب کی صورت میں بہہ رہا تھا اور ساری خادمائیں چاؤں چاؤں کرتی میرے ارد گرد کھڑی ہو گئیں میں ڈر کے مارے بیہوش ہوئی جا رہی تھی کہ اچانک میرے دماغ کو شمامۃ العنبر کی خوشبو نے معطّر کر دیا۔

ارے کیا بک بک لگا رکھی ہے۔ جان بوجھ کر تو اس نے ایسا نہیں کیا ہے جانے دو کون سا بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ یہ دلھن بی بی تھیں جو جھٹکے سے اٹھ کر خود ہی غرارے کے پائنچے سنبھالتی میرے پاس آ کھڑی ہوئی تھیں۔ ——

"دیکھو تو کیسا ڈری سہمی کھڑی ہے۔ غریب چہرے پر سرسوں پھول رہی ہے

انھوں نے مجھے اپنے قریب کھینچ لیا اور میرے گال تھپکے تب جا کے میری جان میں جان آئی اس روز سے میرے دل میں اُن کی وقعت عزّت اور محبت دوگنی ہو گئی تھی۔

ان کا دل بڑا تھا، رتبہ بڑا تھا۔ دل کی بڑائی تو قائم رہی رتبہ قسمت نے اَیسا کم کیا ایسا کم کیا کہ ہیرے کو کوئلہ بنا کے رکھ دیا۔

میر ہاشم علی کی فیاضی اور دریا دلی اپنے جلو میں جو تباہی لائی تھی اس کا اندازہ کسی کو ان کی زندگی میں تو نہیں ہوا البتہ ان کے انتقال کے چند مہینوں بعد دو مہاجنوں کی طرف سے ڈھائی لاکھ کی نالش کا سمن اور کاشانۂ ہاشم کے قرضے میں رہن ہونے کی خبر بڑی سرکار کے کان میں پڑی تو ان کا دماغ جھن سے ہو گیا کر انھوں نے مخملیں گاؤ تکیہ پر سر جو ٹکایا تو پھر خود سے نہ اُٹھا سکیں۔ دوسروں نے اٹھا کر سیدھا قبر میں رکھ دیا ان کے دل کی حرکت بند ہو گئی تھی۔

کاشانۂ ہاشم پر قیامت ٹوٹ پڑی اور پھر تو چھوٹی بڑی قیامتیں ٹوٹتی ہی
۱ ہی رہیں کچہری عدالت کی کھینچا تانی میں نہ پڑ کر خاندانی عزّت و وقار کو باقی رکھنے کے لئے اور کاشانۂ ہاشم کو بچانے کے لئے وہ زمین جائداد اور باغات جو میر ہاشم علی کی فیاضی اور سخاوت کی نذر ہونے سے بچ رہے تھے ان کا بڑا حصّہ اونے پونے

www.taemeernews.com

فروخت کر دیا گیا۔ کاشانہ ہاشم تو بچ گیا لیکن جس قدر جائداد باقی رہ گئی تھی۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ ملازموں اور خادماؤں کی فوج کو پال سکتی جس روز ۲۵ نوکروں کو گھٹا کر ۵ کیا گیا اور ناظم علی یعنی دلھن بی بی کے شوہر اور کاشانۂ ہاشم کے چراغ کو اتفاقاً پانی اپنے ہاتھ سے انڈیل کر پینا پڑا دادی جان کا کلیجہ پھٹ گیا دادی جان کی موت کے بعد تیسرا حادثہ خود میر ناظم علی کی موت تھا۔ ان کے گھر کی ایک خادمہ جس کو میر ہاشم علی نے پڑھا لکھا کر اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا تھا، اس کا ٹرانسفر لکھنؤ سے، بلگرام کے اس اسکول میں ہو گیا جس میں ناظم علی کی دونوں بیٹیاں پڑھتی تھیں۔ ناظم علی کو ان دونوں کا اس خادمہ زادی کو ادب سے ماسٹرنی جی کہنا ہی سوہانِ روح تھا نہ کہ قیامت یہ ہوئی کہ ایک روز کسی معمولی سی غلطی پر بڑی لڑکی رقیہ کو ماسٹرنی نے بڑی حقارت کے ساتھ تھپڑ مار دیا اور جب رقیہ نے سسک سسک کر باپ کو یہ واقعہ سنایا تو ناظم علی کا غصہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ کل کی خیرن جو اب خیر سے خیر النساء بن گئی تھی اس کی یہ مجال کہ وہ ناظم علی کی بیٹی پر ہاتھ اٹھائے۔ اس رعب اور طنطنے کے ساتھ وہ اسکول میں گھسے کہ بس خیرن ان کے سامنے آتے ہی بھیگی بلّی بن جائے گی۔ عاجزی اور انکساری سے معافی مانگے گی، ہاتھ جوڑے گی۔

"میاں غلطی ہو گئی معاف کر دیجئے آئندہ ایسا نہ ہوگا۔" جیسا کہ اس کی ماں زمین کیا کرتی تھی۔

خیرن آئی تو مگر خیرن بن کر نہیں خیر النساء بن کر، وہ تیور تھے کہ میاں بوکھلا کے رہ گئے۔ اس نے ماتھے پر دو انگلی رکھ کر سلام کرنا بھی گوارہ نہ کیا بڑے رعب سے پوچھا۔

"فرمائیے کیا بات ہے؟"

"تم نے رقیہ کو کس بات پر سزا دی تھی!" ناظم علی نے اندر ہی اندر بل کھاتے ہوئے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"اس نے غلطی کی تھی۔ کیا مجھ سے اسی بات کا جواب طلب کرنے آئے ہیں۔ مسٹر آئندہ بھی اس سے غلطی ہوئی تو اس سے بڑی سزا ملے گی!"

"خیرن!" ناظم علی کا چہرہ غیظ و غضب سے سُرخ ہو گیا تھا۔

"کیا کہا؟ خیرن غرّائی۔ میرا نام خیر النساء ہے خیر النساء۔ بس اب آپ جا سکتے ہیں"

ناظم علی برف بن گئے۔ اُن کا سارا اُبال دودھ کا جھاگ بن گیا۔ کئی لمحے تک وہ اس چھوکری کو بے حس و حرکت دیکھتے رہے جو ان کی موجودگی کو قطعاً نظر انداز کر کے رجسٹر کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

وہ گھر واپس آ کر بستر پر یوں گر پڑے جیسے اپنی عزّت، اپنا وقار اپنا رعب و دبدبہ اپنی امارت اور اپنی آن بان سب ہی دفن کر آئے ہوں۔ یہ داغ ان کے دل کا ناسور بن گیا اور ایک ماہ کے اندر اندر وہ بھی خاندانی قبرستان میں جا سوئے۔

دلھن بی بی اب تنہا رہ گئی تھیں۔ دونوں لڑکیوں رقیہ اور نوشابہ کی شادیوں کے سلسلہ میں بچی کھچی جائداد کا رشتہ بھی اس در سے ٹوٹ گیا تھا۔ سارا خاندان تنکوں کی طرح بکھر گیا۔ جو لوگ ان کے آس پاس مکھیوں کی طرح بھنبھنایا کرتے تھے بھڑوں کی طرح ڈسنے لگے۔ دلھن بی بی نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ بکھر بکھر جانے والی آن بان کو سمیٹ سمیٹ کر گلے لگاتی رہیں۔ ملک کی تقسیم کے بعد دونوں لڑکیاں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ سرحد پار سدھاریں۔ انھوں نے بہت چاہا بڑی منّت سماجت کی کہ دلھن بی بی بھی ان کے ساتھ چلیں مگر وہ کاشانۂ ہاشم چھوڑنے پہ تیار نہ ہوئیں۔

"جب تک زندہ رہوں گی اس حویلی کی دہلیز نہ چھوڑوں گی کوئی دوسرا ان کمروں ان برآمدوں اور ان برجیوں کو روندتا پھرے یہ میری زندگی میں ناممکن ہے تمھارے باپ دادا کی روحیں تڑپ جائیں گی اگر میں نے اس گھر کو چھوڑا" انھوں نے کہا تھا۔

www.taemeernews.com

کئی سال تک وہ اپنی آن اور اس دہلیز کی شان برقرار رکھنے میں جان لگائے رہیں۔ ہر تیوہار اسی شان سے مناتیں۔ ہر شادی و غمی میں اسی ٹھسے سے شریک ہوتیں مگر سب جانتے تھے اندر سے کھوکھلی ہوئی جارہی ہیں۔ چہرے کی وہ چمک جسم کی وہ چکناہٹ رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی تھی۔ لہجے میں کھنک اور رعب ہی تھا لیکن خالی اور بھرے برتن کی آواز جیسا فرق نمایاں تھا۔ سب سے زیادہ دلھن بی بی کے قریب میں تھی۔ مجھے وہ مانتی بھی زیادہ تھیں۔ لیکن یہ مجال نہیں تھی کہ میں ان کی نجی زندگی میں دخل دے سکوں کاشانۂ ہاشم روز بروز کھنڈر بنتا جارہا تھا۔ کبھی پردے غائب۔ معلوم ہوا دھلنے گئے ہیں مگر پھر بھی دھل کر نہ آسکے۔ کبھی ایک آئینہ نکل گیا، کبھی دوسرا اور رفتہ رفتہ ایک چھوٹا سا گول شیشہ ہی رہ گیا جس میں دلھن بی بی اپنے چہرے کی اُڑتی چمک کو بغور دیکھا کرتیں۔۔۔ وہ بڑے بڑے صندوق جنھیں کھولنے میں کلیجہ منہ کو آجائے راتوں رات کھسک گئے ایک صندوق اماں نے بھی باہر ہی باہر خرید لیا دلھن بی بی کو خبر نہ ہوئی ورنہ اسی روز ان کا دم نکل جاتا۔ اماں کو خوشی تھی کہ اب جڑاول رکھنے کا مسئلہ حل ہو گیا مگر مجھے دلی صدمہ ہوا۔ دیگیں، اڈّھے، پتیلے، کلسے، لگن، تسلے۔ سینیاں اور طباق ۔ ۔ ۔ کچھ تو نہ رہا برتنوں سے چھت تک بھرا ہوا کمرہ بھائیں بھائیں کرنے لگا۔ جو بڑا تیوہار آتا کاشانۂ ہاشم کو اجاڑ جاتا۔ دہلیز پر ایسی ویرانی چھائی گویا قبرستان کا دروازہ ہو۔ جس گھر میں نوکروں کی ریل پیل تھی وہاں اب صرف بوڑھے خدا بخش ہی رہ گئے تھے جو بیتے دنوں کا مٹا مٹا سا نقش بنے ہوئے ڈیوڑھی میں پڑے رہتے۔

دلھن بی بی جو اب ، بی بی جی بن گئی تھیں خود اپنا کھانا پکانے لگی تھیں۔ وہ گلاب کے پھول جیسی ہتھیلیاں برتن صاف کرتے کرتے سخت اور کھردری ہو گئی تھیں۔ ان کا وہ سر جو دھوئیں کے نام ہی سے چکرانے لگتا تھا گھنٹوں چولھے پر جھکا ہوا گیلی لکڑیاں

www.taemeernews.com

پھونکا کرتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یار لوگوں نے کاشانۂ ہاشم کا کے سامان سے اپنے گھر بھر لئے تھے۔ دلھن بی بی کے زیورات سے مہاجنوں کی تجوریاں بھر گئیں۔ اکیلی عورت ذات کو جی بھر کر لوٹا گیا۔ جھانسے دیئے گئے۔ وہ لٹتی رہیں مگر اُف نہ کی۔ زبان کھولیتیں تو جو راز ان کے لئے راز تھا طشت از بام ہوجاتا۔ ان کی شان اور کاشانہ کی آن کی کھوکھلی دیوار بے دھڑ دھڑا کر زمین پر ڈھیر ہوجاتیں۔ کبیر محمد کو جو کسی زمانے میں اس سرکار میں داروغہ تھے وہ اپنا راز دار بنائے ہوئے تھیں اور جس قدر کاشانۂ ہاشم ڈھاتا جارہا تھا اجڑتا جارہا تھا کبیر محمد کی نئی بلڈنگ اونچی ہوتی جارہی تھی۔ محلے بھر کی لڑکیوں کے جہیز میں بی بی جی کی کسی نہ کسی بیش قیمت چیز کا اب بھی اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ میری شادی جب طے ہوئی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مجھے انھوں نے سچّے موتیوں کی پنچ لڑی دی میرے میاں کو سونے کی گھڑی جیبی گھڑی اپنے شوہر کی چہیتی نشانی۔ ناظم علی اس گھڑی کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ بی بی جی نے حد ہی کر دی۔ میں رو پڑی تھی۔

" پگلی۔ وہ مسکرائیں۔ رونے کی کیا بات ہے۔ میں تجھے بے حد عزیز رکھتی ہوں اسی لئے اپنی یہ عزیز شے تجھ کو دی ہے کہ تو مجھے یاد رکھے ! "

میں سسرال جاتی اور آتی رہی۔ ہر بار بی بی جی کے اجڑے ہوئے آشیانے کی بربادی اور ویرانی دیکھتی رہی۔ نئی نئی اندوہناک خبریں سنتی رہی۔

اس بار جب میں آئی تو دس ماہ کا ننھا بیٹا بھی میری گود میں تھا۔ اتفاق کی بات یہ جس وقت اتری بی بی جی میرے گھر میں ہی بیٹھی تھیں۔ بڑی محبت سے مجھے گلے لگایا مگر جب میں نے بچے کو ان کی طرف بڑھایا تو وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولیں۔

" نا۔ خالی ہاتھ بچے کو نہیں لوں گی اب جس روز میرے گھر پر آنا جی بھر کے ... گی ! "

www.taemeernews.com

"اس کی کیا ضرورت ہے بی بی جی۔ میں جھجھک کر بولی۔ آپکی محبت ہی بہت ہے"
"محبت کے ساتھ ساتھ دنیا کی ریت بھی نبھانا پڑتی ہے بیٹی"
جب وہ جانے لگیں تو بے اختیار مجھے وہ زمانہ یاد آگیا جب ان کے آگے پیچھے خادمائیں پہلا کرتی تھیں بھاری پائنچے کا پائجامہ وہ اب بھی پہنے تھیں لیکن پائنچے خود ہی اٹھائے ہوئے تھیں۔ پائجامہ بھی اس سنہریا دور کی یادگار تھا جس کو وہ اب تک سنبھال سنبھال کر چلا رہی تھیں۔

"بے چاری!" میرے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی۔ اماں میرے ساتھ آئے ہوئے پھلوں کی چھابی، بسکٹوں کے بنڈل اور ناشتے دان سنبھال کر رکھتے ہوئے بولیں۔

"آفریں ہے اس بی بی پر۔ ریت اور آن نبھانے میں جان دیئے دے رہی ہیں سنا ہے اب تو دو دو وقت چولھا نہیں جل پاتا ہے مگر کسی کی مجال نہیں ہے کہ کچھ پوچھ سکے یا کوئی مدد کر سکے۔"

میری نظر پھلوں اور ناشتہ سے بھرے ٹفن پر جم گئیں۔ اگر یہ تھوڑا سا
"اگر یہ تھوڑا سا تحفے کے طور پر بھیجوں تو ...."
"تم کو ذرا ناتی ہیں بھیج کر دیکھ لو میری تو ہمت نہیں پڑتی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے، پڑوس کی صغرا نے فاقے کی خبر سنی تو خاص کر کھانا پکا کر بڑے اہتمام سے بھیجا۔ بس قیامت آگئی۔ میں نے اس سے پہلے کبھی بھی بی بی جی کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ خدا کی قسم چہرے پر نگاہ نہیں ٹھہر رہی تھی جیسے دہکتا ہوا تنور۔ لال بھبھوکا۔ کہنے لگیں محتاج سمجھ کر بیٹھ۔ نے اور ثواب لوٹنے چلی ہو۔ صغرا غریب رو رو دی۔"
"نہیں بی بی جی میری چیز سے انکار نہیں کریں گی۔"
میں نے کہا تو اماں کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

www.taemeernews.com

"تو بی بی تم ہی لے جاؤ مجھے ان کے غصے سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

میں نے بڑے چاؤ سے ایک کشتی میں پھل، کچھ میوے بسکٹ اور مٹھائی کے ڈبے رکھے اور کاشانۂ ہاشم کی طرف لپکی۔ میرے لئے یہ کوٹھی اب بھی کاشانۂ ہاشم تھی اور لوگوں کی طرح میں اس کو بڑا مکان نہیں کہہ پاتی تھی۔

ڈیوڑھی بھائیں بھائیں کر رہی تھی، بوڑھے خدا بخش کھانس کھانس کر بے دم ہو جانے کے بعد اپنے جھلنگا سے پلنگ پر پڑے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ میری آہٹ پر سر اٹھا کر مندی مندی آنکھوں سے مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"سلام بخشو چاچا!"

"کون؟ زبیدہ بٹیا۔ جیو بیٹی خوش رہو!"

"اچھے تو رہے بخشو چاچا!"

میں یہی سیدھی سوال کر کے شرمندہ ہو گئی۔ وہ تنومند خدا بخش جو ناظم علی کا منھ چڑھا خادم ہونے کی حیثیت سے نچلے طبقے میں خان صاحب پکارا جاتا تھا، جس کے قدموں کی دھمک دماغ میں درد پیدا کر دیتی تھی آج فاقوں کا مارا، ہڈیوں کا پنجر بنا، دمہ کی کھانسی کھانستا ہوا مردوں سے بدتر نظر آ رہا تھا۔

"ارے بٹیا۔ وہ ہانپ رہے تھے۔ زندگی کی ڈور جتنی جلدی کٹ جائے اچھا ہے"

"لو چچا۔ ناشتہ کر لو!"

"ناشتہ!" وہ اس طرح چونکے جیسے کوئی بہت انوکھی بات ہو گئی ہو۔ میرے بڑھے ہوئے ہاتھ میں دو کیلے اور ایک سیب دیکھ کر ان کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو گئی تھی ان کا کانپتا ہوا ہاتھ بے اختیار میری طرف بڑھا

"خدا بخش۔ میرے ہاشم علی کی چوکھٹ پر بھیک لے رہو؟" خدا بخش کا ہاتھ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح نیچے گر گیا۔ ان کا چہرہ زرد ہو گیا۔

www.taemeernews.com

میں نے مڑ کر دیکھا۔ بی بی جی ایک آن بان اور شان کے ساتھ کھڑی تھیں۔ میرے پر وہ تمکنت اور جلال تھا کہ میری آنکھیں جھکتی چلی گئیں۔

"یہ کیا لائی ہو زبیدہ؟"

"جی۔ جی۔ میں ہکلائی۔ یہ آپ کے لئے!"

"میرا فاقہ توڑنے کے لئے!" وہ تلخ آواز میں بولیں پھر خدا بخش کی طرف مڑیں۔

"خدا بخش۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں میرے ساتھ رہ کر اپنی مٹی خراب نہ کرو — تم نہیں مانتے تو خیر — مگر یہ ناممکن ہے کہ اس دہلیز پر بیٹھ کر تم اپنا فاقہ توڑنے کے لئے خیرات لو!"

خدا بخش کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر ان کی ملگجی داڑھی میں جذب ہونے لگے۔

"وطن بی بی۔ بی بی۔ خدارا میرا قصور معاف کر دیجئے۔"

"یہ کشتی لے لو اور زبیدہ کے گھر دے آؤ۔"

پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولیں۔ "آؤ زبیدہ اب آئی ہو تو دو چار منٹ بیٹھ لو!"

میں کچھ بول ہی نہ سکی۔ چپ چاپ سینی خدا بخش کے حوالے کر دی۔ کاشانۂ ہاشم جنگل کی طرح ویران تھا۔ کمرے خالی، دالان سنسان، باورچی خانہ خاموش، پرانی یادگاروں میں صرف وہ مٹی کے بڑے بڑے گملے رہ گئے تھے جو اب برآمدے کی سیڑھیوں پر سجے ہونے کے بجائے صحن کے ایک کونے میں پڑے تھے۔

میں چپ چاپ سامنے والے برآمدے کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"زبیدہ آج تم نے بھی مجھے محتاجی کھلانا چاہی تھی"

وہ ہنسیں اور میرا دل سسک اٹھا۔

"نہیں بی بی جی۔ خدا کی قسم یہ خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا میں تو بڑی محبت سے

www.taemeernews.com

ایک حقیر سا نذرانہ لیکر آئی تھی "

" نذرانہ کا وقت اب گیا زبیدہ بیٹی۔ اب تم سے کیا چھپانا کہ دنیا ہی جان گئی ہے مگر بیٹی میری خودداری میری آن ابھی زندہ ہے یہ بات صرف دنیا اور لٹانا ہی جانتے ہیں۔ ارے ہاں۔ اپنے بچے کو نہیں لائیں "

" جی۔ جی نہیں! "

" بلوا لو اسے بھی۔ بڑا پیارا بچہ ہے! کل رقیہ کا خط آیا ہے اپنے بچے کی تصویر بھیجی ہے ٹھہرو تمہیں دکھاتی ہوں! "

وہ لپک کر کمرے کے اندر چلیں تو میں نے دیکھا ان کے پیر دل میں کپکپاہٹ ملی تھی پھر میری نظر باورچی خانے کے کھلے دروازے پر پڑی بڑا سا چولھا ٹھنڈا پڑا تھا لیکن تین بڑی بڑی پتیلیاں اس کے اوپر ڈھکنوں سے بند رکھی تھیں۔ میری چھوٹی بہن سلمیٰ نے بڑی رازداری کے ساتھ مجھے بتایا تھا کہ بی بی جی بے چاری کیا کرتی ہیں چولھے پر دو تین پتیلیاں پانی سے بھر کر چڑھا دیتی ہیں کوئی آتا جاتا ہے تو دکھانے کے لئے بار بار چولھے کے پاس جا کے پتیلیوں میں چمچہ ہلانے لگتی ہیں تاکہ وہ سمجھے کھانا پک رہا ہے ــــ

خدا کی پناہ۔ میں کانپ اٹھی۔

بادامی رنگ کے ایک لفافے سے ایک خوبصورت بچے کی تصویر نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔

" دیکھو۔ کیسا گلگوتھنا سا ہے اللہ نظر بد سے بچائے۔ رقیہ نے پھر مجھے بلایا ہے مگر میں کیسے جا سکتی ہوں۔ ارے ہاں تمہارے بچے کو بلا لوں! "

انھوں نے تصویر سے انگلی ہٹائی تو یاقوت کی سرخ چھوٹ نے میری نظروں کو چھین لیا۔ میں اس انگوٹھی سے مانوس تھی۔ یہ انگوٹھی بڑی سرکار نے بہو کو پہلے زچہ خانے کی چھٹی کے روز پہنائی تھی۔ بی بی جی اس انگوٹھی کو جان سے بڑھکر عزیز رکھتی تھیں۔

www.taemeernews.com

"خدا بخش!" بی بی جی نے ڈیوڑھی کی طرف رُخ کر کے آواز دی۔

"جی سرکار!"

"دیکھو ذرا زبیدہ کے بچے کو لیتے آؤ!"

میں عجیب شش و پنج میں تھی۔

دو روز کا فاقہ۔ گھر میں پانی کے علاوہ ہر چیز خواب اور اب بی بی جی کی یہ آن بان۔

وہ بے تکان باتیں کر رہی تھیں۔

"آج کل نہ جانے کیوں پیاس بہت لگتی ہے"، وہ خشک لبوں پر زبان پھیرنے لگیں تو میں اٹھکر گلاس میں پانی لے آئی۔

"خوش رہو!" انھوں نے ڈگڈگا کر پانی پیا اور میرے ہاتھوں میں دیکر پلنگ کے سرہانے تہ کئے بستر پر سر رکھ کر لیٹ گئیں۔ جالی کا کرتا سانسوں کے آنا جانا کے ساتھ ان کے خالی پیٹ پر دب اور اُبھر رہا تھا۔

"اللہ کرے پپو سو رہا ہو نہ آسکے" میں نے دل ہی دل میں دعا کی اور گلاس رکھ کر ان کے پاس پڑی چوکی پر بیٹھ گئی۔

میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

خدا بخش الٹے پاؤں واپس آئے اور پکار کر کہا۔

"بھیّا کو لے آیا ہوں سرکار"

میں پپو کو لے آئی۔

بی بی جی کے بلاتے ہی وہ کیا نے کیا سمجھ کر ان کی گود میں ہمک کے جا گرا۔

"اللہ اس کی خوشیاں دکھائے تمھیں۔ وہ محبت کے ساتھ پپو کو سینے سے بھینچ کر بولیں۔ نانی کے یہاں آیا ہے پپو بول کیا لے گا۔

"بی بی جی!" میں نے کچھ بولنا چاہا تو انھوں نے گھڑک دیا

www.taemeernews.com

"چپ رہو جی تم !" بیبو نے قلقاری مار کر ان کی ناک دبوچ لی تو ہنسکر بولیں۔
"ناک لے گا۔ ارے نا بھئی ناک نہ لے اسی ناک کی خاطر تو دہلیز لئے بیٹھی ہوں"۔
وہ بیبو کو گودی میں سمیٹ کر بیٹھ گئیں
"مجھے دیدیجئے بی بی جی۔ کہیں آپ پر پیشاب نہ کر دے"
"تو کیا ہوا نہا لوں گی" انھوں نے بیو کی پیشانی چوم۔ کچھ دیر تک کچھ سوچتی رہیں پھر ایک دم ان کا چہرہ چمک سا اٹھا۔ بڑے ہی فخر کے ساتھ سر اٹھا کر انھوں نے میری طرف دیکھا۔ مجھ سے نظر ملتے ہی انھوں نے پھرتی سے اپنی آخری نشانی انگوٹھی انگلی سے کھینچ کر اتاری اور بیبو کے دلہنے ہاتھ کے انگوٹھے میں پہنا دی۔
"لے بیبو یہ تیرا انعام ہے۔ نانی کی نشانی کہیں گرا نہ دیجو"
"بی بی جی !" ایک کراہ بن کر میرے لبوں سے چیخ نکلی۔ انھوں نے میری کراہ کو نظر انداز کر کے بیبو کو میری گود میں بٹھا دیا اور پاؤں میں سلیپر ڈال کر برآمدے کی سیڑھیاں اترتی ہوئی بولیں۔
"اے ہے۔ میرا دماغ ہوا تو بیکار ہوا جا رہا ہے۔ پہلے پہل اللہ رکھے گود بھر کر میرے گھر آئی ہو منھ تو میٹھا کرا دوں آنچل تو بھر دوں ارے خدا بخش !"
انھوں نے لاکھ چھپایا مگر میری آنسوؤں سے دھندلی ہوتی ہوئی آنکھوں نے دیکھ ہی لیا کہ چولھے پر چڑھی تین پتیلیوں میں سے ایک پتیلی لیکر اپنے غرارے کی آڑ میں لئے ہوئے وہ ڈیوڑھی میں چلی گئیں ——— بیبو انگوٹھی کو چوس رہا تھا۔ مگر وہ سرخ یاقوت چنگاری بن کر میرے دل میں آگ لگائے ہوئے تھا۔

---

www.taemeernews.com

افسانہ

پچھلا دروازہ

جب وہ کام کر رہی ہوتی تو کال بیل کی آواز اس کو زہر معلوم ہوتی۔ یہ بھی کوئی تک ہے کہ آندھی طوفان کی طرح کام نپٹاتے رہو ایک منٹ بھی برباد نہ کرو اور اسی میں اٹھ کر یہ بھی دیکھو کون آیا ہے۔

اب کوئی بھی ہوتا اس کو فکر نہ رہتی لیکن اس وقت جبکہ دونوں بچے اسکول اور وہ آفس جا چکے تھے اور وہ صرف پیٹی کوٹ اور بلاؤز پہنے دروازہ بند کئے گھر کے کاموں کو جلدی جلدی سمیٹتے ہوئے بری طرح تھک چکی تھی اور اب جھٹ پٹ نہا دھو کر ایک کپ گرما گرم چائے پینے کے بعد ذرا کمر سیدھی کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ اخبار پڑھنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی کال بیل کی بے وقت کی ٹرن ٹرن اس کے لئے زہر بن گئی۔

"جانے کون آن مرا بے وقت!" اس نے دانت پیس کر سوچا اور ایک طرف پڑی بھیگی ملگجی ساڑھی لپیٹ لینے کے لئے بڑھی ٹائم پیس ۱۱ بجا رہی تھی۔

روزانہ ٹھیک ۱۱ بجے وہ فرصت پا چکی تھی لیکن آج کچھ دیر ہو گئی تھی کپڑے زیادہ دھونے پڑ گئے تھے۔ یوں تو روزانہ ہی ۲۰-۲۵ کپڑے دھوتی تھی یہ اس کے معمول میں شامل تھا۔ سویرے اٹھ کر چائے اور ناشتے سے نپٹنا، پھر برتن صاف کرنا، [illegible] ٹنکی اور رما لٹاں تھی اور گھڑے بھی بھرتے جانا۔ بچوں کے جھگڑے چکانا

www.taemeernews.com

ان کے شیو کا سامان رکھنا، بار بار چائے بنا کر پلانا برتن سے فارغ ہو کر بجلی جیسی تیزی سے دونوں کمرے اور آنگن جھاڑنا، بستر اٹھانا، کرسیاں میز اور پلنگ ترتیب سے رکھنا ساتھ ہی جھاڑن پھیرنا کہ ان پر جمی گرد صاف ہو جائے پھر ہاتھ منہ دھو کر بال سنوارنا کہ شوہر کی تاکید رہتی میرے سامنے چڑیلوں کی صورت میں نہ گھوما کرو دیکھنے چھونے اور محسوس کرنے کے راہ کرو۔ اس لائق بنکر بڑے سے ٹب میں سرف گھول کر اپنے، بچوں کے اور شوہر کے کپڑے بھگونا۔ دوبارہ انگیٹھی جلا کر کھانا چڑھانا مشین کی طرح وہ چلتی بولتی دن کے گیارہ بجے تک ان جھمیلوں سے فرصت پا جاتی شوہر تیار ہو کر اور کھانا کھا کے آفس جاتے بچے اسکول چلے جاتے ۔۔۔ صاف ستھرے پرسکون گھر میں نہا دھو کر ہلکی پھلکی ہو کر وہ ایک کپ چائے پیتی۔ اُف۔ اس وقت یہ چائے کیسا مزہ دیتی۔ ہلکی ہلکی تھکن بھی، اطمینان بھی سستی بھی تب وہ اپنے بستر پر خوب پھیل کر لیٹے ہوئے اخبار پڑھتی۔ ۱۲ بجے کے قریب اس کو نیند آجاتی اور جب بچے اسکول سے آتے تو وہ ایک نیند لیکر تازہ دم ہو چکی ہوتی۔ اٹھ کر ان کے بستے سنبھال کر رکھتی، دوسرے کپڑے دیکر اسکول کے ڈریس گندے کپڑوں کے صندوق میں ڈالتی پھر منہ دھو کر بچوں سے باتیں کرتی رہتی ساتھ ہی دھلے اور سوکھے ہوئے کپڑے الگنی سے اتار اتار کر تہ کرتی اور رکھتی پھر چائے کا پانی چڑھاتی۔

یہ روز کا معمول تھا۔

ایک چھوٹے سے اور بٹے دھبے کے کینے کا روز کا ماحول اور معمول۔ اس میں ذرا بھی اچل پچل ہوتا تو اس کا اثر ظاہر ہو جاتا۔ وہ اپنی چھوٹی سی گرہستی، بھولے سے خاندان اور شوہر کی چھوٹی سی تنخواہ میں مطمئن اور خوش تھی۔ چار یا پانچ سو روپے پانے والا اس کا شوہر اپنی بے حد محنتی اور سگھڑ بیوی کی وجہ سے ہی اپنے آفس میں ہمیشہ بے داغ سفید کپڑے پہن کر اور سر اونچا کر کے چلتا تھا۔ اس کے پاس گنتی کے

www.taemeernews.com

جوڑے تھے پھر بھی وہ ہمیشہ صاف ستھرا نظر آتا۔ ایک لباس کبھی بھی وہ دو روز سے زیادہ استعمال نہ کرتا تیسرے روز اس کا سوٹ بھی بدل جاتا اور چپل بھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے پاس صرف دو جوڑی چپل ہیں بس ہر جوڑے کے ساتھ چپل بدلی ہوئی نظر آتی۔ پریس کیا ہوا لباس اور پالش کی ہوئی چمکتی دمکتی چپل۔ یہی حال بچوں کا تھا اور یہی خود ریشمان کا۔ اس کے پاس چار ساڑھیاں تھیں۔ روز ساڑھی بدلتی روز صاف ستھری چمکتی دمکتی پھول سے شاداب اور ستھرے بچوں اور خوش و مطمئن شوہر کے ساتھ وہ شام کو تفریح کے لئے باہر نکلتی۔

گھر کا سارا کام وہ اپنے ہاتھ سے کرتی تھی باہر کا کام اس کا شوہر کرتا تھا اور اس کے سمجھدار بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی دونوں ہی ماں باپ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

ان کے یہاں ایک پیسہ بھی فضول نہیں جاتا تھا۔ مہینے کی (۲۵) تاریخ میں ان سب کو بے حد صبر کا مظاہرہ کرنا ہوتا تھا اور صبر کے میٹھے پھل کے طور پر تنخواہ ملنے پر وہ بچوں اور شوہر کے ساتھ کوئی اچھی سی پکچر دیکھ آتی یہ خرچ ان کو جائز معلوم ہوتا کیونکہ ایک بار دماغ اور آنکھوں کو تین گھنٹوں کی تفریح دینا فضول کام نہیں ہوا کرتا۔ ان کے گھر کا ہر کام وقت اور اصول سے ہوتا تھا اور جب اس میں رکاوٹ ہوتی تو ریشمان کو بری طرح غصہ آنے لگتا۔

مہمان بہر حال اللہ کی رحمت ہوا کرتے ہیں یہ وہ مانتی تھی مگر آج کل کے زمانے میں مہمان....
وہ بھی... وہ بھی بن بلائے والوں کے مہمان اور بے وقت آنے والے مہمان خدا کی پناہ !
اب جانے کون ہے اس وقت!

وہ دل ہی دل میں خیر کی دعا مانگتی گیلی جھاڑن لپیٹ کر بالوں کا جوڑا بناتی ناگواری کے ابال کو بری طرح روکتی جب وہ دروازے پر پہنچی تو ایکدم ٹھٹھک گئی۔

دروازے کے ادھر سے اس کے شوہر کے ایک بے حد بے تکلف اور لاابالی مزاج رکھنے والے دوست رحمان کی آواز آرہی تھی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔

www.taemeernews.com

"دروازہ اندر سے بند ہے پھر بھی سناٹا ہے یہ وقت بھابھی کے سونے کا تو نہیں ہے ہاں نہانے دھونے کا ضرور ہے۔"

کسی عورت ہنس کر کہا۔

"پھر تو تم اچھے وقت پر پہنچے"

"ہشت شریر کہیں کی۔ رحمان بھی ہنسا۔ بھئی خوب مزہ رہے گا ایک ہفتہ تک۔ بھابھی دل کی بڑی اچھی اور بڑی ہنس مکھ ہیں۔ گھر خوب صاف ستھرا رہتا ہے۔ میرا دل یہاں ہمیشہ خوب جما اب تم کو اور بچوں کو اتنے سال کے بعد لیکر جو یہاں آیا ہوں تو اور بھی لطف رہے گا۔ بھابھی اور کوکب اور زیادہ رہنے پر مجبور کریں گے!

"چلو بھئی اسی بہانے مجھے آرام ملے گا۔ ۷۔ ۸ روز تک مشین نہیں بننا پڑے گا۔"

رحمان کی بیوی کہہ رہی تھی۔

"تم اور مشین۔ بس جھوٹ نہ بولو۔ سارا کام نوکر کرتا ہے ہاں بھابھی کو دیکھنا اور سبق لینا کہ عورت ہو تو ایسی"

"بس بس اب اشتیاق نہ بڑھایئے دروازہ کھلوایئے۔ بس میں ۴ گھنٹے بیٹھے بیٹھے سر اور کمر دونوں ہی درد کرنے لگے ہیں۔

اسی وقت کوئی بچہ بولا۔

"ممی بھوک لگی ہے!"

"ابھی کھانا ملتا ہے"

"گھنٹی پھر چلائی۔

ریشماں بت بنی کھڑی تھی ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا تھا۔

"پاپا جی مجھے بھی بھوک لگی ہے"

دوسرا بچہ چلایا۔ ہے"

www.taemeernews.com

"عجیب بات ہے۔ رحمان بے تابی سے بولا۔ کوئی سنتا ہی نہیں ہے"

کوئی بہت چھوٹا سا بچہ رو اٹھا۔

" یہ بھی بھوکا ہو گیا ہے۔ رحمان کی بیوی بولی۔ صبح میں گھر سے دودھ دے کر چلی تھی کیوں جی گائے کا دودھ تو یہاں آسانی سے مل جائیگا؟"

" ضرور ملے گا۔ ہاں یاد آیا کو کب کھانے کے بعد گائے کا دودھ پیتا ہے اور اسکی یہ عادت بھابھی نے ہی ڈالی ہے۔ واللہ۔ کمال کی عورت ہے" اب اس نے گھنٹی کے بجائے حلق کا استعمال کیا۔

" بھابھی۔ بھابھی۔ بھا۔ بھی!"

ریشماں کے جسم کو حرکت ہوئی لیکن دروازے کی طرف نہیں۔ وہ بے آواز۔ دم سادھے پلٹی اور کمرے میں سرک آئی پھر آنگن ۔۔۔! اسی پیڑھی پر سر تھام کے بیٹھ گئی جس پر بیٹھ کر کپڑے دھو رہی تھی۔ آج مہینے کی ۲۵ تاریخ تھی۔ صابن دانیوں میں صابن کے چند ننھے ننھے ٹکڑے ہی رہ گئے تھے۔ دال چاول اور آٹے کے ٹین کھنکھنانے لگے۔ چائے کا رنگ بہت ہلکا پیا جانے لگا تھا۔ کولگیٹ ختم ہو جانے کی وجہ سے دو روز سے لکڑی کے کوئلہ سے دانت صاف کئے جانے لگے تھے پرسوں سے ہو سکتا ہے خالی دال روٹی پکنے لگے پھر بھی اللہ کا شکر ہے اور صبر و سکون لیکن یہ مہمان۔

ایک ہفتہ کے لئے۔

ایک نہیں۔ دو میاں بیوی اور تین بچے۔

آسمان دور۔ زمین سخت!

ریشماں کو چکر آنے لگا تھا۔ اپنے ہی گھر میں بیٹھی وہ اپنے کو چور سمجھ رہی تھی۔ اس نے بہت تیزی سے ترکیبیں سوچنا شروع کیں ایسی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

www.taemeernews.com

بچے ۔ ۳ بجے اسکول سے آئیں گے اور وہ تو کوئی پانچ بجے آفس سے واپس آتے ہیں۔ بلا کسی رکاوٹ کے وہ محلے کے کسی گھر میں بیٹھ سکتی تھی۔ کام کاج کی وجہ سے گھر سے نکلنا نہیں ہو پاتا چلو آج سب کے شکوے دور کر دیئے جائیں۔ تین چار گھنٹے مزے سے گزر جائیں گے تب تک یہ بن بلائے مہمان تھک ہار کر ٹل جائیں گے۔

ضمیر کے پکوکوں کو اس نے سختی سے دبایا اور اسی طرح بے آواز چلتی، کمرے میں کئی آنے والی کھانسی کو حلق میں ہی گھونٹا بہت آہستہ سے بکس کھول کر ایک اچھی سی ساڑھی نکالی یہ ساڑھی اور اس کا ہم رنگ بلاؤز اس کے بھائی نے عید کے موقعہ پر دیا تھا۔ جلدی جلدی کنگھا کیا کپڑے بدلے اور الماری سے بڑا تالا اٹھا کر پچھلے دروازے کی طرف چلی۔

یہ پچھلا دروازہ اس وقت اس کو اپنی نجات کا دروازہ معلوم ہو رہا تھا اس نے بڑے دل اور خلوص کے ساتھ مالک مکان کو دعا دی۔

دھڑکتے دل اور لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ دروازے کی کنڈی کھول کر وہ باہر نکلی۔ یہ دروازہ ایک لمبے چوڑے احاطے میں کھلتا تھا۔ نہ صرف یہ دروازہ بلکہ محلہ کے کئی مکانوں کے پچھلے دروازے بھی اس میں کھلتے تھے۔

ریشماں باہری کنڈی لگا کر تالا بند کیا اور چابی کا لچھا کمر میں اڑس کر وہ مڑی تو عجیب منظر دیکھا۔

بیگم توقیر، بیگم انوار، شریمتی بنرجی، شریمتی دوبے اور بڑے بابو کی ماں.....
اپنے اپنے پچھلے دروازوں پر بالکل اسی کے انداز میں کھڑی ایک دوسرے کو حیران ہو ہو کر دیکھ رہی تھیں۔

جیسے ہی ریشماں نے اس محفل میں قدم رکھا وہ سب ایک ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑیں

"تو ہم سب۔ ایک ہی ناؤ پر سوار ہیں۔ ریشماں نے ہنس کر کہا۔

"یہ پچھلے دروازے ہیں بڑے کام کے" شریمتی دوبے بولیں۔

www.taemeernews.com

"چلیئے آپکے یہاں چلتے ہیں" ریشماں نے شریمتی بنرجی سے کہا۔ آپ کا ایک آنا میرے اوپر ادھار ہے"!

"کیسے جاؤں۔ شریمتی جی کچھ کھسیا کر کچھ ہنس کر بولیں۔ دروازے پر مہمان کھڑے ہیں اگلے دروازے پر!"

"میرے دروازے پر بھی"

"میرے دروازے پر بھی"

"اور میرے بھی ۔۔۔۔"

"اور میرے ۔۔۔۔۔۔"

بڑے بابو کی ماں خاموش رہیں لیکن مسکراتی ہوئی ریشماں کو دیکھتی رہیں۔ ریشماں نے جلدی سے کہا۔

"اچھا چاچی جی۔ پھر میں آپکے یہاں چل رہی ہوں آپ چپ ہیں اس کا یہ مطلب ہوا آپکے یہاں کوئی نہیں آیا ہے"

بڑے بابو کی ماں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی بولیں۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے میرے یہاں بھگوان کی کرپا سے کوئی نہیں آیا ہے یہ دوسرے گھر کے مہمان میرے گھر آگئے ہیں۔

ریشماں کا دل بیٹھنے لگا گھبرا کر بولی۔

"کس کے مہمان چاچی جی؟"

"تمہارے مہمان بیٹی!"

"میرے؟" ریشماں مردہ آواز میں بولی۔

"ہاں بیٹی۔ تمہارے گھر کا اگلا دروازہ بند تھا وہ پکارتے پکارتے تھک کر میرے یہاں آگئے اس وقت تک انتظار کرنے کے لئے جب وقت تمہارے گھر کا دروازہ کھلے گا۔

www.taemeernews.com

ریشماں پر آسمان ٹوٹ پڑا اور پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکنے لگی
پھر بھی، وہ کر ہی کیا۔ ناچار بیٹھی، اور کانپتے ہاتھوں بسورتے ہونٹوں کے ساتھ
پچھلے دروازے کا تالا کھولنے لگی۔ اگلے دروازے کی سٹکنی کھولنے کے لئے۔

---

www.taemeernews.com

افسانہ

لو آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا"

منیر منزل ادریس گنج ہردوئی۔

عزیزی اسلم میاں

ہزاروں ہزار دعائیں۔

تمھارا محبّت نامہ کل ملا تھا

بیٹا میں تو دل سے چاہتی ہوں کہ تم اور سلمیٰ ایک رشتے میں بندھ جاؤ۔ پاک اور نیک اور خوبصورت رشتے میں یہ سمجھو کہ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے۔ کون ماں ایسی ہوگی جو اپنی لڑکی کے لئے تمھارا جیسا خوبصورت (نظروں میں خاک) خوش مزاج، خوش رفتار، خوش گفتار، نیک کردار اور برسرِ کار لڑکا پسند نہ کرے گی۔ تم نے اور سلمیٰ نے ایک دوسرے کو پسند کیا میں نے تم دونوں کی پسند کو پسند کیا میں خوش میرا خدا خوش۔ اب وہ زمانہ رہا کہاں جب والدین کی مرضی اور حکم پر اولاد سر جھکا دیا کرتی تھی۔ تم دونوں تعلیم یافتہ ہو سمجھدار ہو اپنا بُرا بھلا خوب سوچ سمجھ سکتے ہو۔ زندگی ایک ساتھ تم دونوں کو گزارنی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ تم دونوں نے مجھے آگاہ کر دیا۔ تم دونوں نہ بتلاتے اور چپ چاپ شادی رچا لیتے تو میں کیا کر سکتی تھی۔ بہرحال، اب میں اپنے ہاتھوں سے تم دونوں کا بیاہ کروں گی۔ جی بھر کے ارمان نکالوں گی تم جانتے ہو کہ سلمیٰ میری سب سے چھوٹی اور سب سے لاڈلی بیٹی ہے اِس کی شادی کے بعد اب مجھے کوئی کام نہیں کرنا ہے۔ میری بڑی

www.taemeernews.com

لڑکی نجمہ لکھنؤ میں بڑے اچھے گھر بیاہ کر گئی ہے اور خدا کا شکر ہے کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہی ہے۔ منجھلی لڑکی ریحانہ کانپور میں لیڈی ڈاکٹر ہے اس کا میاں بھی اللہ رکھے ڈاکٹر ہے۔ یہ شادی بھی میری اور بچیوں کے باپ کی پسند سے ہوئی ہے سلمیٰ کے والد زندہ ہوتے تو شاید اتنی آسانی سے تم دونوں کی شادی نہ ہو سکتی تھی۔

خیر چھوڑو ان باتوں کو میں کہہ رہی تھی سلمیٰ میری لاڈلی بیٹی ہے جو کچھ اب میرے پاس بچا ہے سب اس کا ہے۔ یہ گھر بھی اسی کے نام کر دوں گی۔ میرا کیا ہے تینوں بچیوں کے یہاں باری باری رہ لوں گی۔ یہ تو تم سب کو ماننا ہی پڑے گا۔ ہر وقت نہ سہی کسی ایک وقت کسی بزرگ کی ضرورت محسوس ہی ہوتی ہے سلمیٰ یوں بھی میرے بغیر قدم نہیں اٹھاتی ہاں بس ایک یہ بات ایسی کی ہے اس نے کہ تمھیں پسند کرنے میں تمھیں شریک زندگی بنانے میں اس نے میرے بغیر اور میرے مشورے کے بغیر قدم اٹھا لیا ہے خیر میں خوش میرا خدا خوش۔

ہاں تو، بیٹا اسلم تم اپنی ماں کے اکلوتے بیٹے ہو بڑے گھر کے ہو ماشاء اللہ کھرے سید ہو میری سلمیٰ خوش قسمت ہے اسے تمہارا جیسا شوہر ملے گا ——!

تم نے لکھا ہے شادی جلدی ہو جانا چاہیئے ٹھیک ہے بیٹے میں خود بھی اس فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جانا چاہتی ہوں۔ سرکار نے جہیز پر پابندی لگادی ہے، مہمانوں کی تعداد پر پابندی لگا دی ہے پھر بھی اسلم میاں کچھ تو کہنا ہی پڑیگا۔ بالکل لاکھ لٹے پھر بھی سوا لاکھ ٹکے کا ہوتا ہے۔ اگلے ماہ کی شروع کی تاریخوں میں خیر سے یہ شادی ہو جائے گی اطمینان رکھو۔

ہزاروں دعاؤں کے ساتھ رخصت۔ بیگم منیر احمد۔ (والدہ سلمیٰ)

منیر منزل ادریس گنج ہردوئی

۱۱ مارچ ۱۹۷۵ء

جانِ مادر نجمہ۔

لاکھوں دعائیں۔

www.taemeernews.com

بیٹی آج کل میرے اوپر جو گذر رہی ہے خدا میرے کسی بدترین دشمن پر بھی ایسی نہ گذارے سلمیٰ کی دیوانگی کا حال تمہیں معلوم ہی ہے۔ اسلم (خدا اسے جہنم واصل کرے) اسلم نے مجھے خط بھی لکھا ہے اور سلمیٰ کے ساتھ شادی کے لئے نہ صرف تیار ہے میرے اوپر دباؤ بھی ڈال رہا ہے لیکن بی بی جب اپنا ہی دام کھوٹا تو پرکھیا کی کیا لاگ —— وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے سلمیٰ کی رضامندی اور خوشی سے کر رہا ہے، اس کے اشارے پر کر رہا ہے۔ بیٹی اب یہ لوگ شادی کر کے ہی رہیں گے۔ یوں بھی ماں باپ کی ناک کاٹ کر ہی رہیں گے۔ داماد کی پگڑی اچھال کر ہی رہیں گے غضب خدا کا آج تک خاندان میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ لڑکی اپنی پسند سے شادی کر لے ماں باپ کو اٹھا کر طاق پر دھر دے۔ اب یہ لوگ شادی کر کے ہی رہیں گے۔ اور ہم لوگ ہاتھ ملتے رہ جائینگے اسلم لاکھ اچھا بھی تمہارے دیور انور سے ہرگز اچھا نہیں ہے۔ سلمیٰ کے لئے انور مجھے انور دل سے پسند ہے۔ اسلم کو تسلی دینے کے لئے میں نے اسے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ لیکن اب تم لوگ میری مدد کرو۔ اور کسی بھی ترکیب سے اسلم کا پتہ کاٹ دو۔ مجھے وہ پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔ نہ جانے کیا جادو کر دیا ہے اس نے میری بچی پر اٹھتے بیٹھتے اس کا کلمہ پڑھا کرتی ہے۔ ہاں سنو میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے وہ لکھ رہی ہوں خط کے ساتھ! سنجمہ بیٹی یہ اسلم کی تصویر ہے دیکھو ذرا کیا ہو نق سا ہے کمبخت۔ اور یہ تصویر، یہ دوسری تصویر جو ہے وہ میری بچپن کی ایک سہیلی کی تصویر ہے۔ اب تو وہ بوڑھی ہو رہی ہوگی میری طرح۔ جوانی کے زمانے میں قیامت تھی۔ ہاں تو، ایسا کرو دولہا میاں سے کہو ان دونوں کی تصویریں اس طرح ایک دوسرے میں جوڑیں کہ ذرا بھی شک نہ ہو کہ یہ الگ الگ تصویریں ہیں۔ دونوں ہی تصویریں ایک رخ کی ہیں ایک ساتھ ہونگی یعنی آمنے سامنے تو ایسا معلوم ہوگا ایک محبت بھرا جوڑا ایک دوسرے پر جان قربان کر دینے والے انداز میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا ہے۔ دولہا میاں کی فوٹوگرافی کا امتحان ہے یہ چھ برس لگوڑے امریکہ میں رہ کر فوٹوگرافی کی ٹریننگ لی ہے وہ آخر کب کام آئیگی۔ بس یہ کر کے اور ایک اجنبی عورت کی طرف سے بہت ہی

www.taemeernews.com

[illegible] خط لکھوا کر مجھے بھیج دو۔ یوں سمجھو اسلم ایک شادی کر کے بیوی کو دھوکا دے چکا ہے اور دولت کے لالچ میں دوسری شادی کر رہا ہے سو اس مصیبت زدہ اور ٹھکرائی ہوئی عورت نے اپنی بپتا لکھی ہے اور اس بے وفا سنگدل کو دوسری شادی سے روکنے کے لئے اللہ رسول کے واسطے دیئے ہیں اور ہزاروں خوشامدیں کی ہیں ——! اور میں یہ خط، نجمہ بیگم، سلمیٰ کے سامنے رکھ دوں گی۔ شادی ہوگی، دھوم دھام سے ہوگی ان ہی تاریخوں میں ہوگی لیکن، اسلم کے ساتھ نہیں، انور کے ساتھ ——!

تمہارے جواب کا بے قراری سے انتظار کروں گی۔

تمہاری ماں

کاشانۂ رضویہ
سیدواڑہ۔ بلگرام
۱۷ مارچ ۱۹۷۵ء

۲۸۶

عرشیہ پیاری

تم کو دعائیں دوں یا جی بھر بھر کر کوسوں
جانتی ہو میں کون ہوں ؟
تمہارے بچپن کی سہیلی فرحانہ۔ یاد آیا ؟

کیوں نہ یاد آئے گا۔ ہم نے کتنے بہت سارے دن ایک ساتھ گزارے ہیں۔
گرمیوں کی کڑکتی دوپہروں میں چچا ابا کے باغ میں جھولے جھولے ہیں۔ ساتھ کچی کیریاں اور املیاں کھائی ہیں۔ اُف! وہ دن بھی کتنے پیارے دن تھے۔
تم حیران ہوگی میں اکدم کہاں سے آگئی۔ تمہارا پتہ کیسے چلا۔ سنو [illegible]

www.taemeernews.com

تم نے جو خط نجمہ کو لکھا تھا وہ اسلم کے لفافے میں چلا آیا ہے اور اسلم کو جو خط تم نے لکھا ہے وہ نجمہ بیٹی کے لفافے میں چلا گیا ہوگا۔ میری بنّو ایسا خاص خط تمھیں خاص طریقے سے بھیجنا چاہیئے تھا۔ دوسری حیرانی تم کو یہ ہوگی اسلم کا لفافہ مجھے کیسے ملا۔ تو میری عزیز ترین عشو سنو! ہونق قسم کا جہنّم واصل کر دینے والا اسلم میرا بیٹا ہے۔ میرا اکلوتا لاڈلا بیٹا۔

اُف ری! میری بے درد سنگدل سہیلی۔ تو کتنی سخت دل سے دو معصوم دلوں کو کچل رہی تھی۔ معصوم خوابوں کو چکنا چور کر رہی تھی۔ سپنوں کے محل ڈھا رہی تھی۔ لیکن خدا کو یہ ظلم گوارہ نہ ہوا۔ اسلم نے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے وہ خط اور تصویر مجھے دی تو میں بھی ہنس پڑی۔ میری جان عشّو! وہ! قتّالۂ عالم حسینہ نوجوان میں میں ہی تھی نا! میری تصویر تم میرے بیٹے کے فوٹو کے ساتھ چسپاں کرنا چاہتی تھیں ہے نا یہ ستم ظریفی! یہ خط تمھارے لئے لیٹر بم ثابت ہوگا۔ اور میری آمد عشّو بی بی یقیناً تمھارے اوپر آئٹم بم بن کر گرے گی (اگر تم اس لیٹر بم سے بچ گئیں)

سنو میں اتوار کو یعنی ۲۶ تاریخ کو چار بجے شام اسلم کو لئے ہوئے تمھارے پاس پہونچ رہی ہوں، کیا اب بھی کوئی چال چل رہی ہو؟

تمھاری خیر خواہ

(والدہ اسلم)

---

www.taemeernews.com

افسانہ

"گھبرا کے محبّت کر بیٹھے"

جانے کتنی امیدوں، ارمانوں اور انتظار کی سختیاں جھیل کر وقاص نے اپنی دلھن کا گھونگھٹ الٹا تھا۔

گھونگھٹ الٹتے ہی اس کے سارے ارمان، ساری امیدیں بھوچکارہ گئیں۔ طویل انتظار کے بعد جو دیدار ہوا اس نے وقاص کو آسمان سے پاتال میں ڈھکیل دیا۔ وہ سکتہ زدہ سا دلھن کا منھ تکتا رہ گیا۔ اس کے علاوہ کرتا بھی کیا؟ نہ غصہ کرنے کا موقع تھا نہ سر پیٹنے کا نہ دلھن کا گلا گھوٹنے کی ہمت تھی اور نہ خود گھر سے باہر بھاگ جانے کی!

مہمانوں سے گھر چھلک رہا تھا۔ وقاص کی خوشی سے پھولی نہ سماتی بہنیں اب بھی سارے گھر میں چہکتی پھر رہی تھیں۔ اماں کی آواز میں قہقہے ابل رہے تھے۔ اور تو اور ابّا جان بھی اپنی ساری سنجیدگی اور بیماری کو بھول کر قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ بھاوجوں سے ہنسی مذاق کر رہے تھے اور مہمانوں کو کھانا کھلانے میں پیش پیش تھے۔ وقاص ان سب کی ہنسی اور خوشی کیسے لوٹ لیتا۔ بزدل تو وہ سدا کا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی بزدلی اسے اب تک نہیں کھلی تھی۔ لیکن آج؟ آج وہ اپنے ہی اوپر مٹھیاں بھینچ رہا تھا، دانت پیس رہا تھا۔ کاش اس میں اتنا دم خم ہوتا کہ اپنے خوابوں کو یوں آگ لگتے دیکھ کر بالائی منزل سے چھلانگ لگا دیتا یا کمرے سے باہر نکل کر بھابی اور بڑی باجی سے شیر کی طرح گرج کر پوچھتا۔

"کیا دیکھا تھا تم لوگوں نے اس لڑکی میں؟ تم لوگ تو چاند سی دلھن لانے کے عہد کیا

www.taemeernews.com

کرتی تھیں۔ کہاں گیا وہ عہد۔ عہد کو ڈالو جہنم میں کم از کم میرا خیال ہی کیا ہوتا "
مگر وہ کچھ نہ کر سکا کچھ نہ کہہ سکا۔
بس ساکت و صامت، دلھن کا چہرہ تکتا رہا۔ کمرے کا ماحول انتہائی خواب ناک اور رومانٹک تھا۔ دولھا بھائی نے بڑے چاؤ سے سجاوٹ کی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کا بلب دل میں خوامخواہ گدگدی پیدا کر رہا تھا۔ جہیز کی مسہری لگا کر، جہیز ہی کا نیا ریشمیں گدگدا سرخ گدا، سرخ چادر اور سرخ گداز تکیے لگا دیئے گئے تھے۔ مسہری کے اوپر چھت کی کڑیوں میں لمبی لمبی پھولوں کی لڑیاں یوں لٹکائی گئی تھیں کہ وہ چھتر دانی کی صورت میں پوری مسہری کو گھیرے ہوئے تھیں۔ مہکتے ہوئے تر و تازہ بیلے کے پھولوں کی لڑیاں جن کے لٹکتے ہوئے سروں پر بڑے بڑے سرخ گلاب ٹنکے ہوئے تھے۔ اماں نے ابھی ابھی پان دان میں جانے کون سی خوشبو سلگائی تھی کہ دماغ تو کیا روح بھی معطّر ہوئی جا رہی تھی۔ چاندی کے ورق میں لپٹی پان کی گلوریاں منتظر تھیں کہ ایک سے وقاص اپنے لبوں کو معطّر و رنگین کرے دوسری شرارت سے دلھن کے بند ہونٹوں میں ڈھکیل دے۔ چینی کی خوبصورت قاب میں رکھی پنج رنگی مٹھائی بھی اس بات کی منتظر تھی کہ دولھا دلھن آپس میں بات کرنے سے پہلے ایک دوسرے کو مٹھائی کھلائیں تاکہ ان کی ازدواجی زندگی مٹھاس سے بھرپور گزرے ——— باہر بڑے دالان میں پھوپھی اماں کی فرمائش پر بی ڈومنی نے ایک رنگیلا سا گیت چھیڑ دیا تھا۔

"آج کی شب تمھیں اے جان مبارک ہووے"

بھولا بنڑہ بنی نادان مبارک ہووے"

بنڑہ خیر نادان تو نہیں تھا ہاں تھوڑا بہت بھولا ضرور تھا۔ اس نے اپنے شباب کے بہت سارے دن اور بہت ساری راتیں بڑے بھولپن سے گزار دی تھیں۔ کیا مجال جو کسی لڑکی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی ہو۔ اماں اس کے شرمیلے پن پہ صدقے واری ہوا کرتیں۔

www.taemeernews.com

بہنیں فخر کرتیں۔ اور خود اس کو اپنے اوپر بڑا ناز تھا کہ اس نے اپنی جوانی کسقدر سنبھال سنبھال کر رکھی ہے۔ اتفاقاً اُنتیس برس کوئی یوں آنکھیں نیچی رکھ کر نہیں گزارا کرتا۔ اس سے پانچ برس چھوٹے بھائی ریاض نے بڑے بڑے رنگ دکھائے تھے۔ گھر کی نوکرانی تک سے قسمیں وعدے کر بیٹھا تھا۔ خاندان کی ہر لڑکی یہی سمجھتی کہ ریاض کی جان اسی کے پیچھے جا رہی ہے۔ آخر اماں ابا نے بُلا کر وقاص سے پہلے ہی اس کے گلے میں شادی کا طوق ڈال دیا تھا۔ کمبخت کو دلھن بھی بڑی پیاری ملی تھی۔ جی چاہتا کہ آنکھوں میں رکھ لو۔ وقاص نے اس کا منہ دیکھا تو گھبرا اُٹھا تھا ——— جلدی سے رونمائی میں دی جانے والی انگوٹھی کی ڈبیہ اس کی گود میں ڈال کر بھاگ نکلا تھا۔ سب لوگوں کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا تھا۔

ایک پتلی سی دیوار کے پار ریاض کے کمرے میں بہار آتی، پھول کھلتے، قہقہے اچھلتے، اور وقاص کے کان پر جوں بھی نہ رینگتی اگر رینگتی بھی تو وقاص اس کو جھٹک دیا کرتا۔

دو سال کے اندر ہی ریاض ایک بچی کا باپ بن گیا۔ تب، اماں کو اپنے وقو پر ایسا ٹوٹ کر ترس آیا کہ وقاص کے لئے دلھن تلاش کرنے کی مہم میں جی جان سے جُٹ گئیں۔

وقاص میں کمی کیا تھی۔ خوبصورت، تندرست، نیک، برسرِ روزگار۔ ایک نہیں ہزار دلھنیں مل جاتیں لیکن کوئی بھی لڑکی بھابھی کی نظر میں نہ سماتی اور وہ ذرا نرم پڑتیں۔ تو باجی رد کر دیتیں۔

"بھلا اس لڑکی اور میرے وقو کا کیا جوڑ۔ میں تو اس کے لئے چاند سی دلھن لیکر آؤں گی۔"

چاند سی دلھن کیوں نہ ڈھونڈھی جاتی ایک تو خود وقاص خوبصورت دوسرے ریاض اور فیاض کی دلھنیں ایک سے بڑھ کر ایک۔ باجی چاہتیں کہ تیسری بھاوج ان دو سے بڑھ کر نہ سہی ان کے برابر ہی آئے کہ خاندان میں مثال قائم ہو جائے۔ اب مثال تو قائم ہو گئی تھی لیکن خوبصورتی اور برابری کی نہیں! وقاص دم بخود سا دلھن کا چہرہ تک رہا تھا

www.taemeernews.com

اور سوچ رہا تھا کیا اسی دن کے لئے اس نے اپنے آپ کو بچا بچا کر رکھا تھا اور پھر شادی کے نام پر الٹی سیدھی رسموں کے ہاتھوں اپنی درگت بنوائی تھی۔ پچھلے دنوں سے وہ کیسے کیسے رنگین خواب دیکھنے لگا تھا اور جب جسم میں ایک لذت انگیز سرسراہٹ پیدا ہوتی تو اس لئے اس کا دم گھونٹ دیا کرتا تھا کہ اب کچھ ہی اس لذت کو بھر بھر ہاتھ بٹورے گا۔

سرخ زر کار گھونگھٹ کی اوٹ سے جو چہرہ نکلا تھا وہ چاند سا ہرگز نہیں تھا۔ پھیکا۔ پھیکا سانولا رنگ۔ تنگ پیشانی۔ پھولے پھولے سے گال۔ سوجے سوجے سے بھدے ہونٹ پھیلی سی ناک طرفہ ستم اس کی آنکھیں تھیں۔ بند ہونے کے باوجود ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ آنکھیں بے حد چھوٹی ہیں، گول ہیں اور اوپر ابھری ہوئی نہیں بلکہ اندر دھنسی ہوئی ہیں۔ اس چہرے کو بڑے جتن سے سنوارا گیا تھا۔ ہونٹ لپ اسٹک سے سرخ تھے اور ان پر مہین مہین افشاں جڑی ہوئی تھی (ریاض کی دلہن کے پتلے گلابی لبوں پر یہ افشاں کیا غضب ڈھا رہی تھی اس نے سوچا) دلہن کے پھولے ہوئے گالوں پر بھی روژ اور افشاں کی بہار تھی اور اس روژ پر چمکیلے ستاروں کے دائرے بھی بنے ہوئے تھے لیکن اس کہکشاں سے گالوں کی خوبصورتی بڑھی نہیں تھی اور بھدا پن آ گیا تھا۔ (ہائے ریاض کی دلہن کے سرخ گلابی پھولوں جیسے رخساروں پر دمکتے ستاروں کی یہ کہکشاں ایک جادو جگا رہی تھی) دھنسی ہوئی آنکھوں کے سُرمئی پپوٹوں پر بھی افشاں ــــ جگمگاتے ریزے چپکائے گئے تھے۔ (اُف ریاض کی دلہن کے وہ ہلکے ہلکے لرزتے ہوئے غلافی پپوٹے اور ان پپوٹوں کے نیچے لمبی لمبی قاتل آنکھیں) تنگ پیشانی پر سونے کا جڑاؤ ٹیکہ اپنی قسمت پہ دمک نہیں بلکہ رو رہا تھا۔ (نہیں بھولتا وہ چمچماتا ہوا لرزتا ہوا جڑاؤ ٹیکہ جو ریاض کی دلہن کی چاند سی پیشانی پر سجا ہوا تھا) چہرے سے اتر کر وقاص کی مایوس نظریں دلہن کے جسم پر پڑیں۔ سرخ لباس میں گٹھڑی بنا ہوا جسم جس کو بیٹھنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا۔ کندھے اوپر کئے بے ڈھنگے پن سے گھٹنے اٹھائے کوبڑ سا نکالے وہ پھوہڑپن سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ریاض کی دلہن ہائے اس کا وہ بیٹھنے کا خوبصورت

www.taemeernews.com

جان لیوا شاعرانہ انداز۔ وہ اس انداز سے بیٹھی تھی کہ وقاص کو ایک پیارا شعر یاد آنے لگا تھا۔

"بیٹھی ہے جو محفل میں یوں شرمائی ہوئی سی"
"ٹھوڑی کو دیئے دستِ حنائی کا سہارا"

اور دوسرا شعر کچھ یوں تھا۔

"محسوس یہ ہوتا ہے کہ کونین کے اوپر"
"اِک نقش ہے جس کو یدِ قدرت نے ابھارا"

بہت جی چاہا تھا وقاص کا کہ شرارت سے جھک کر دلھن کے کان میں یہ شعر پڑھ دے۔ لیکن ایک تو لحاظ دوسرے یہ کنجوسی کہ ہو نہ ہو۔ پرائی دلھن کے اوپر ان خوبصورت اشعار کو کیوں ضائع کرے کیوں نہ انھیں اپنی حسین دلھن کے لئے ایک حسین ساعت کے لئے محفوظ کر کے رکھے۔ صبح سے کئی بار اس نے یہ قطعہ زیرِ لب گنگنایا تھا اور رہ رہ کر جسم میں ایک لذّت آمیز سنسنی دوڑی تھی۔ لیکن جب، وقاص کی زندگی کی وہ سب سے حسین اور سنسنی خیز گھڑی آئی اس نے دھڑکتے دل، کپکپاتے ہاتھوں اور مسکراتے لبوں سے دلھن کا گھونگھٹ اُلٹا اور جھوم کر وہ محفوظ کئے ہوئے اشعار پڑھنا چاہے، تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ دلھن کو رونمائی میں دینے کے لئے خوبصورت طلائی گھڑی اس کے ہاتھوں سے بستر پر گر گئی اور وہ بُت سا بنا دلھن کو تکتا رہ گیا۔ دلھن کی گردن شاید دُکھنے لگی تھی وہ ذرا سا ہلی تو وقاص کا ہاتھ بھی ہلا۔ پھر بے جان شے کی مانند نیچے گر پڑا دلھن کا گھونگھٹ پھر اس کے چہرے پر ڈھلک گیا اور گردن گھٹنوں پر آ ٹکی۔

اچانک وقاص اُٹھا۔ یوں جیسے بپھرا ہوا شیر کچھار سے نکلتا ہے وہ بند کمرے سے باہر نکلا۔

www.taemeernews.com

گھر اب بھی روشنی سے نہایا ہوا تھا۔ قہقہوں اور آوازوں سے گونج رہا تھا۔ ابھی کسی کو بھی نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے سوچا باجی کو پکڑے گا۔ یا پھر۔ بھابھی کو۔ اور دل کا سارا ابال نکالے گا۔ چیخے گا دہاڑے گا۔ گھر بھر کو دہلا دیگا سہما دیگا۔ اسکی زندگی سے کھیلنا کوئی مذاق ہے؟ بڑے بھیّا اور ریاض سے وہ کسی بات میں کم تھا کہ اس کو دلھن کی صورت میں ایک ناگوار بوجھ تھما دیا گیا۔

کئی آنکھیں اس سمت حیرانی سے اٹھیں۔ کچھ کھُسر پھُسر ہوئی۔ کئی معنی خیز مُسکراہٹوں نے اس کے غصّے کو اور بھڑکا دیا۔ میراثن نے ڈھولک پر ہاتھ روک دیا۔

بھولا بنڑی ..... کے الفاظ ہوا میں مُعلّق ہو کر رہ گئے۔ باجی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ بھابھی بوکھلا کر اپنے دودھ پیتے بچّے کو گھبّے پر ٹپک کر کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بکھر بکھر کر رونے کی بھی پروا نہ کی۔

بھوپھی امّی نے گھبرا کر پوچھا

"کیوں وَقّو میاں کوئی کام ہے کیا؟"

"ہاں۔ کام ہے" وہ غرّایا پھر اس نے شعلہ بار نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ اماں کا چہرہ فق ہو رہا تھا اس نے بے دردی سے نظریں پھیر لیں۔

"ذرا میرے ساتھ آیئے بھابھی۔ اور باجی آپ بھی ....."

اس نے جبڑے کس لئے۔ مُٹھیاں بھینچ لیں۔ باجی اور بھابھی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا مرتا کیا نہ کرتا دونوں اس کے پیچھے ہو لیں۔

گھر پر ایک عجیب سا سنّاٹا چھا گیا۔

اپنے کمرے کے دروازے پر پہونچ کر وہ ٹھٹھکا۔

"آپ دونوں اندر چلئے میں ابھی آیا" وہ تیزی سے ریاض کے کمرے کی طرف بڑھا۔ آج تک اس نے اس کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ہمیشہ ریاض کی دلھن سے

www.taemeernews.com

پگھل رہا تھا۔ اس کی بے پناہ کشش اور خوبصورتی کے سامنے وہ اپنے آپ کو کمزور سا محسوس کرنے لگتا۔ اسی ڈر سے وہ ریاض کی دلھن کو نظر بھر کر دیکھتا بھی نہیں تھا۔ اور وہ بھی بڑی شرمیلی تھی۔ جیٹھ سے جی بھر بھر کے لحاظ کرتی تھی۔ کیا مجال جو قاص اور ریاض کے سامنے بغیر سر ڈھانپے چلی جائے۔ زور سے بول دے۔ کھلکھلا کے ہنس دے۔

وقاص نے اچانک سوچا تھا کہ ریاض کی دلھن کو بھی بھابھی اور باجی کے سامنے اپنی دلھن کے برابر بٹھا دے گا۔ اور پوچھے گا۔

"کیوں باجی؟ کیوں بھابھی؟ میرے ساتھ آپ لوگوں نے کب کی دشمنی نکالی ہے۔ ریاض، جیسے ہیرے کا حقدار تھا اور میں اس بدرنگ پتھر کے لائق تھا؟"

وہ عجلت سے کمرے میں داخل ہو گیا کہیں ایسا نہ ہو جھجھک غالب آ جائے۔

ریاض کی دلھن، بڑی آزادی سے آئینہ کے سامنے کھڑی بال سنوار رہی تھی قدموں کی چاپ سن کر اس نے مڑ کر دیکھا اور حیرت کے مارے ڈوپٹہ تک اوڑھنا بھول گئی جس کو اس نے آئینہ کے اوپر کھونٹی سے لٹکا رکھا تھا۔

وقاص ٹھٹھک گیا۔

آج اس نے بڑے غور سے، بڑی آزادی سے بھابھی کو دیکھا تھا اس کی حیرت پل پل بڑھتی جا رہی تھی

کیا یہ وہی لڑکی ہے؟

گلاب کے پھول جیسی حسین۔ گلابی، مہکتی، دہکتی، جادو جگاتی ہوئی۔ فتنے اٹھاتی ہوئی!

نہیں! دھوکہ ہو رہا تھا اس کو—!

نہیں۔ وہی تھی۔ بالکل وہی مگر، کتنا فرق آ گیا تھا آج کی ریاض کی دلھن اور دو سال قبل کی ریاض کی دلھن میں—— وہ دہکتا، دمکتا فتنے اٹھاتا ہوا حسن کتنی جلدی ماند پڑ گیا تھا۔

www.taemeernews.com

رنگ پھیکا پھیکا سا، رخساروں پر چھائیاں، آنکھیں تھکی تھکی، اندر کی جانب دھنستی ہوئی سی، ہونٹ بے رس بغیر لپ اسٹک کے۔ بے رونق سے۔ ہنسلی کی ہڈیاں نمایاں طور پر ابھری ہوئی۔ مرمریں سڈول جسم ڈھیلا ڈھیلا سا۔ کسے بلاؤز کے باوجود بے ڈول سینہ اور سلوٹیں پڑا ہوا پیٹ۔

ریاض کی دلھن چونکی۔ بوکھلائی پھر جھپٹ کر کھونٹی پر پڑا دوپٹہ اتارا اور کندھوں پر ڈھک لیا۔ وہ شاید لباس تبدیل کر رہی تھی۔ کیونکہ، اترا ہوا ملگجا سا غرارہ فرش پر پڑا تھا اور اب وہ آسمانی پیٹی کوٹ اور تنگ بلاوز پہنے ہوئے تھی جھم جھم کرتی ساڑی بستر پر پڑی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے شوہر کے لئے سج رہی ہو۔ ورنہ اس آدھی رات کو آرائش کرنے کی کیا تک تھی۔ اس کو تو بچے کے ساتھ بستر پہ ہونا چاہیے تھا۔

سنگھار دولھا کے لئے تو اس کی دلھن کا بھی کیا گیا تھا وہ کب سے منتظر ہوگی دل میں کیا کیا ارمان ہونگے۔ کتنے ہی خواب دیکھے ہوں گے اور اب، کیا عالم ہوگا اس کے دل کا۔ گھونگھٹ جن ہاتھوں نے الٹا تھا وہ دوسرے کے کمرے کا پردہ الٹے شل ہو چکے تھے۔

دو جی بھائی جان۔ ریاض کی دلھن نے شرمندہ سی آواز میں رک رک کر پوچھا تھا کوئی کام ہے؟"

"نہیں۔ معاف کرنا۔ میں کمرہ بھول گیا تھا۔"

وہ جتنی عجلت سے آیا تھا اتنی ہی تیزی سے پلٹا پھر اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ لوگوں کی نظروں نے کس طرح اس کا پیچھا کیا تھا۔

باجی اور ربابھی، مجرم سی بنی دلھن کے پاس بیٹھی تھیں دلھن کا جسم لرز رہا تھا وہ شاید۔۔۔۔۔ وہ شاید رو رہی تھی۔ سسک بھی رہی تھی۔ وقاص کا

www.taemeernews.com

نرم نرم دل یوں پگھل گیا جیسے پانی برستے میں آنگن، ہیں جھوٹ جانے والی صابن کی ٹکیہ ——!

وہ زور سے ہنسا۔

" ڈرا دیا نا آپ لوگوں کو۔ اچھا اب براہ کرم تشریف لے جائیے اور مجھے کسی کے آنسو پونچھنے دیجئے!"

" ہائے۔ بڑے بدتمیز ہو تو" بھابھی اٹھیں۔

" اللہ کی قسم دل دہلا دیا تھا اس لڑکے نے" باجی دلھن کے سر پر ہاتھ رکھکر کھڑی ہوگئیں۔

دروازہ تیزی سے بند ہوا اور گنگناتا ہوا مسکراتا ہوا رقاص دلھن کی طرف بڑھ گیا۔

www.taemeernews.com

افسانہ

گڑیا

اس کو اگر کسی چیز سے دلی بغض اور چڑھ تھی تو وہ اس کا نام تھا۔

ماں باپ نے لاڈ میں آکر اگر اس کو گڑیا کہہ دیا تھا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اب جبکہ وہ اللہ رکھے بیس برس کی لمبی تڑنگی تندرست دوشیزہ ہو گئی تھی سب کے لئے گڑیا ہی رہتی۔

مانا کہ وہ چھ بھائیوں کے بعد اللہ آمین کر کے ساتویں بٹیا بن کر آئی تھی —— بے حد دبلی پتلی گول منہ کی ڈیڑھ بالشت کی گوری سی ننھی سی گڑیا سی بیٹی!

ماں نے اس ننھے سے پیارے لوتھڑے کو "میری گڑیا" کہہ کر کلیجے سے لگایا۔ باپ نے واری قربان ہو جانے والے انداز میں دیکھ کر "میری گڑیا رانی" کہا تو تلے اوپر کے منے چنے بھائیوں نے گڑیا گڑیا کی رٹ لگا دی اور بس۔ بن گئی وہ گڑیا۔

آٹھ۔ نو برس تک وہ چھوٹی موٹی ٹاکی واکی گڑیا ہی معلوم ہوتی رہی لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس کا حلیہ بدلتا گیا۔ اب، بیس برس کے سن میں تو وہ ایسے کسے بندھے بدن اور لمبے اونچے قد کی دوشیزہ بن گئی تھی کہ اس کو گڑیا پکارا جانا نہ صرف عجیب بلکہ حماقت معلوم ہوتا تھا۔ مگر کیا کیا جائے کہ ماں باپ کی نظروں میں وہ اب بھی گڑیا تھی —— گڑیا رانی۔ گڑیا بیٹی۔ گڑیا بی بی۔

www.taemeernews.com

بھائیوں کی نظروں میں بھی وہ گڑیا ہی تھی۔ شریر کھلنڈری چھوکری۔ اور تو اور اسے اپنے شریک زندگی احسن پر غصہ آتا کم از کم اس کو تو اس حماقت آمیز نام سے گڑیا کو مخاطب نہ کرنا چاہیئے تھا۔

احسن، جو اس کا چچا زاد بھائی بھی تھا اور بقول چچی اماں کے ٹھیکرے کا منگیتر بھی۔ بھائیوں کو وہ ٹوکتی تو سب کے سب اس کا مذاق اڑانے لگتے۔ اماں ابا سے کچھ بس نہ چل پاتا اچھا بھلا نام اس کا کنیز فاطمہ تھا۔ ارے پورا نہ پکارا جاتا صرف کنیز ہی ہر ایک کے لئے اس کو لونڈی بننا منظور تھا لیکن گڑیا کہلانا سوہان روح تھا۔ فاطمہ کہے جانے پر زور دیا تو سب سے پہلے اماں ہی نے کانوں پر ہاتھ رکھے۔

"نا بابا۔ اٹھتے بیٹھتے منہ سے ہر وقت یہ پاک نام پکارنا بے ادبی ہوگی کون جانے کب کس کوئی کیسی نجاست کے عالم میں ہو!"

احسن اس کا منگیتر تھا۔ قاعدے سے اس کو احسن سے جی بھر بھر کر شرمانا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ احسن سے کبھی نہ شرمائی نہ اس کا نام سنکر گھٹنوں میں منہ چھپایا اور نہ اس کی آمد کی خبر سن کر سر پیٹ کسی کونے کھدرے کی طرف بھاگی۔ دونوں ساتھ ہی کھیلے کودے اور ساتھ ہی جوان ہوئے اور بوڑھے بھی ساتھ ہی ہونے کو ٹھانے بیٹھے تھے۔ اماں ذرا یوں تو کٹر خیالات کی تھیں لیکن ان دونوں کے معاملہ میں انھوں نے چپ سادھ لی۔ لاڈلی بٹیا اگر ناک پر مرچیں بھی کتر کر ڈال دیتی تو اُف نہ کرتیں۔ رہے بھائی تو وہ تھے ہی روشن خیال۔ اگر وہ احسن سے پردہ کرتی بھی تو وہ تڑوا دیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نکاح کے ایک روز پہلے تک بڑے اور منجھلے بھائی کے ساتھ تاش کھیلا کئے ــــ شادی میں آئی مہمان بی بیوں نے سینے کوٹ کوٹ کر سرگوشیاں کیں لیکن دلھن دولھا کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔

رخصتی کے وقت اس نے لڑکیوں کو گلا پھاڑ پھاڑ کر روتے سنا تھا۔

www.taemeernews.com

"توبہ ہے یوں تو سانس لیتے بھی شرم آتی ہے۔ اور اب یہ ہزار دل مرد دل عورتوں کے مجمع میں گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے میں شرم نہیں آتی !"

وہ کہا کرتی۔

اس کی رخصتی ہوئی تو اس طرح جیسے وہ پہلے پہل ماں باپ بھائیوں سے چھوٹ کر سسرال نہ جا رہی ہو بلکہ احسن کے ساتھ پکنک منانے یا شاپنگ کرنے جا رہی ہو۔ بہر حال ماں باپ خوش تھے وہ خوش تھی اور احسن تو باغ باغ ہوا جا رہا تھا۔ یہ بے جھجک، بے حد خوبصورت لڑکی اس کی زندگی میں بہار بن کر آئی تھی۔

احسن سے اس کو وہ سب کچھ ملا جو لڑکیاں اپنے محبوب شوہر سے چاہتی ہیں وہ حقیقتاً اس کا محبوب بھی تھا اور شوہر بھی لیکن ایک بات جو اس کے دل میں سوئی کی طرح چبھتی تھی۔ احسن کی لاابالی طبیعت! جب کہ اس نے احسن سے صاف اور کڑے الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"دیکھو بھئی پہلے تو میں ٹال بھی جایا کرتی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہوگا ا سی بات پہ جھگڑا ہو کریگا اور تم جانتے ہو میں کسقدر جھگڑالو ہوں بائی پی کراٹتے ہوئے بھی نہیں تھکتی !"

"کس بات پر جھگڑا ہوگا میری جان ؟"

"اب خبردار جو مجھے گڑیا کہا !"

"اُف فوہ ! بس اتنی سی بات !" احسن ہنس دیا۔ نہ کہوں گا گڑیا مگر پھر کس طرح مخاطب کروں تمھیں ؟"

"جیسے میاں بیوی آپس میں مخاطب ہوتے ہیں اور کیا !" اس کو احسن کی ناسمجھی پہ بڑی کڑھن ہوئی۔

"ہر میاں بیوی کا اپنا ایک الگ انداز ہوا کرتا ہے جان من۔ اب بتاؤ میں

www.taemeernews.com

کیسا انداز اختیار کروں ۔ مثلاً بھائی صاحب اپنی بیوی کو اے اور وہ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ ابا اماں کو احسن کی ماں یا محسن کی ماں کہتے ہیں اور تمھارے بھیا چونکہ ایڈوانس ہیں اپنی بیوی کو اماں ابا کے سامنے بھی ڈیر اور دارلنگ سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور منجھلے بھیا ..... "

"اف فوہ! بس بھی کرو۔ وہ گھبرائی۔ تم نے پوری کتھا ہی سنا دی ارے بھئی تم تو مجھے بس وہ ..... وہ ہکلائی بھی اور کچھ شرمائی بھی ——

"کیا کہوں تمھیں۔ احسن اس کا گلنار چہرہ دیکھ کر مزے لیتا ہوا بولا۔ ابھی تو ہم بچے والے بھی نہیں ہوئے کہ منّے اور چنّے کی اماں یا بیتو کی امّی کی نوبت آئے۔"

"دھت!" اس نے احسن کے چٹکی کاٹ لی۔ اور جلدی سے بولی۔ مجھے بڑا اچھا لگتا ہے احسن جب لوگ اپنی بیویوں کو بیگم کہہ کر پکارتے ہیں!"

"تو یہ بات ہے۔ میں بھی تمھیں بیگم پکاروں گا!" اور بڑی سعادت مندی سے پیچھے دُم ہلاتا پھروں گا۔"

"ہائے احسن۔ تم کتنے اچھے ہو!" احسن اگر اس کے صراحی دار گلے میں سچے موتیوں کا ست لڑا بھی ڈال دیتا تو اسے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی احسن کے اس وعدے سے ہوئی۔

احسن کے چلے جانے کے بعد وہ قد آدم آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اونچا قد بھرا بھرا جسم جو شادی کے بعد اور بھی نکھرتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے چکنے بے داغ چہرے کو دیکھ کر سوچا۔

وہ واقعی ہے بھی بیگم کہے جانے کے لائق۔ یہ نام اس کے احساسات پر ایک نشہ بنکر چھا گیا۔ اسکی تشنہ آرزو کی تکمیل شادی کے بعد ہوئی تھی۔ کہہ کہہ کر تھک ہار گئی مگر نام نہ بدلنے سے نہ بدلا۔ وہی حقیر سا چھچھورا سا بچکانہ نام۔

گڑیا۔ اس نے منہ بچکایا۔ بھلا بتاؤ یہ شاندار قد و قامت پر چوڑا چکلا شاہانہ چہرہ اور یہ نام۔ احسن جس وقت اس کو بیگم کہہ کر پکارتا اس کا دل گز بھر کا ہو جاتا۔

www.taemeernews.com

ایسا لگتا احسن نے اس کو ملکۂ کائنات بنادیا ہو۔ ٹوٹ کر احسن پر پیار آنے لگتا۔ بیگم کے یہ چار حروف احسن کے لبوں سے شہد میں لتھڑے ہوئے ٹپکتے اور اس کے کانوں میں چپک جاتے۔ مگر، ایسا بھی ہوتا کہ کبھی کبھی احسن بھولے سے اس کو گڑیا بھی پکار لیا کرتا اب جانے یہ اس کی بھول تھی یا شرارت یا لاڈ۔ مگر اس کا جی چاہتا وہ پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑے اور کسی طرف نکل جائے جنگل میں، دشت میں یا کسی ایسی جگہ جہاں اس کو کوئی گڑیا پکارنے والا نہ پہونچ سکے۔ وہ احسن سے بلا وجہ لڑتی اس کی جان کو آجاتی اور آخر الٹوا ٹ کھٹوا ٹ لے کر پڑ جاتی۔ اب احسن حیران پریشان اسکے پلنگ کے گرد پروانے کی طرح چکر لگاتا اس کی خوشامدیں کرتا۔

"ارے خدا کے لئے میرا قصور تو بتا دو ہو"

"کیوں گڑیا کہا مجھے۔ وہ احسن کو پھاڑ کھاتی۔ تم جان بوجھ کر مجھے تکلیف پہونچاتے ہو!"

"مان گیا۔ اپنی غلطی مان گیا۔ خدا کے لئے معاف کر دو اب نہ کہوں گا گڑیا۔ بیگم اور صرف بیگم کہوں گا۔"

وہ لاکھوں جتن کر کے روٹھی رانی کو منا لیتا اور بیگم بیگم پکارتے اپنا حلق خشک کر لیتا اور آخر وہ موم بن جاتی۔

اماں طعنے دیتیں، ابا ٹھنڈی سانسیں بھرتے بھائی بھاوج کڑھ کڑھ کر رہتے مگر گڑیا نے میکہ ایسا چھوڑا کہ جانے کا نام نہ لیا۔ لوگ یہی سمجھتے کہ بے مروّت لڑکی میاں کی محبت کے سامنے ماں باپ کی محبت بھول گئی مگر اس بات کو تو وہی جانتی تھی کہ میکہ اس نے کس لئے چھوڑا۔ صرف اس لئے کہ وہاں وہ اب بھی گڑیا تھی اور یہاں بیگم! وہ بیگم کا اعزاز چھوڑ کر گڑیا بننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی لاکھ اس کی شادی ہو گئی ہے عنقریب اللہ رکھے گود بھی بھرنے والی ہے۔ اماں ابا کے لئے وہ آج بھی گڑیا۔ وہ لوگ اس کی سسرال آتے تو آتے ہی گڑیا کی گردان شروع ہو جاتی۔ ابا کی گڑیا اماں کی گڑیا

www.taemeernews.com

بھائیوں کی گڑیا اور اسے ایسا لگتا وہ سچ مچ گڑیا بن گئی ہو۔ روئی کی میلی کچیلی نک چپٹی بڑی بڑی بھیانک آنکھوں اور لال دھاگے سے منھ کاٹانکا بھر دینے والی گڑیا۔ ایسی ہی گڑیائیں تو اسکی انّا بی اس کو بنا کر دیا کرتی تھیں۔ جب تک ناسمجھ رہی اس نے ان کو کلیجے سے لگا کے رکھا رات کو سوتی بھی تو بستر پر ساتھ لٹاتی لیکن جیسے ہی اس کو سمجھ آئی اور گڑیا نام سے اس کو چڑھ ہوئی۔ ساری میلی۔ گندی، بھدّی گڑیائیں اس نے بے دردی سے ٹانگیں چیڑ چیڑ کر چھت پر اچھال دیں۔ اماں ابّا کے منھ سے گڑیا سنکر یوں لگتا وہ احسن کی بھرپور باوقار حسین بیگم نہ ہو۔ انا بی کی میلی بھدی بھیانک گڑیا ہو، اور اس کا جی چاہتا اماں ابا کی اس گڑیا کو نوچ کھسوٹ کر پھینک دے۔

اس کو اماں ابا سے زیادہ چچا ابّا اور چچی اماں اچھے لگتے تھے جو اس کے ساس سسر بھی تھے اور اس کو بڑے ٹھسّے سے دلھن بیگم پکارتے تھے۔

ایک روز احسن کے ایک بڑے قاعدے کے دوست اس سے ملنے آئے۔ ان کی بیگم بھی ساتھ تھیں۔ وہ سولہ سنگھار کر کے جب ان لوگوں کے سامنے پہونچی تو۔ دوست تو خیر محبّم آنکھ بن ہی گئے بیگم صاحبہ کو بھی زخمی مسکراہٹ اور سسکتے لہجے میں ان کی تعریف کرتے ہی بنا۔

"سچ! آپ سے زیادہ خوبصورت شخصیت نظر سے نہیں گزری آپ تو بالکل کسی خوبصورت شاندار ملکہ کی مانند نظر آتی ہیں احسن بھائی کتنے خوش قسمت ہیں!"

وہ ابھی ان الفاظ کے جادو میں گرفتار ہی تھی کہ ایک بم سا پھٹا۔

"گڑیا آآآ!" ——— یہ ابّا تھے۔

"گڑیا کہاں ہے ہماری!" یہ اماں تھیں۔

قبل اس کے وہ جھپٹ کر اندر جاتی چچی اماں سب کو بٹور کر ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ پھر جو اماں نے گڑیا کی رٹ باندھی تو اس کا حال غیر ہو گیا۔ سارا وقار سارا دبدبہ اس ایک لفظ کے نیچے دب کر چکنا چور ہو گیا۔ اس رات اس نے رو رو کر برا حال کر لیا۔

www.taemeernews.com

دوسرے روز اس کے میکے جاکر احسن نے سارا حال داغ دیا۔ بجائے اس کے اماں شرمندہ ہوتیں ہنس ہنس کر لوٹ گئیں۔

"اوئی! تو پھر اس کو بڑھیا ہی کیوں نہ کہا کروں!"

" بلا سے۔ بڑھیا ہی کہیں پر یہ منحوس خطاب واپس لے لیں! گڑیا نے منھیا کس لیں۔ تب منجھلی بھابھی نے کہا۔

" اگر گڑیا کے یہاں پہلی لڑکی ہوتی تو ہم سب اسی کو گڑیا کہا کریں گے اور گڑیا کو کنیز فاطمہ پکاریں گے اس ننھی سی گڑیا کے سامنے وہ اپنے آپ کنیز فاطمہ بن جائیگی۔"

" یا اللہ! لڑکی دینا۔ اللہ نے اس یہ دعا جانے کس نیکی کے عوض قبول کر لی۔ زندگی اور موت کی شدید جنگ کے بعد ہوش میں آکر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کا دل خوف اور یاس و آس سے دھڑ دھڑ کر رہا تھا ــــ اماں ننھے سے پیارے سے لوتھڑے کو چھوٹی سی رضائی میں لپیٹے کلیجے سے لگائے بیٹھی تھیں اور چچی اماں کا منھ لٹکا ہوا تھا۔

" آگئی دوسرے گھر کی روشنی!"

" اے نہیں بہن یوں نہ کہو میری بچو کا پہلا چراغ ہے یہ ننھی سی گڑیا۔ گڑیا رانی۔" اماں نے پیار سے کہا تو اس کا جی چاہا اپنی اماں کو دل میں رکھ لے۔ سارے گلے شکوے اس کے دور ہو گئے تھے اور اس دلی مسرت نے اس کو سوا مہینہ کے نہان کے بعد اور بھی حسین بنا دیا۔ پھر وہ کنیز فاطمہ بن گئی۔ اماں ابا بھائی سب ہی کی کنیز فاطمہ۔ گڑیا اب اس کی ننھی سی بیٹی تھی۔ ہر کسی کی گڑیا۔ پھر گڑیا کے تلے اوپر تین بچے اور ہوئے لیکن کنیز فاطمہ کی آنکھ کا تارا گڑیا ہی بنی رہی۔ بیٹے کی اولادیں سب ہی تھیں محبت بھی سب سے تھی لیکن گڑیا وہ ہستی تھی جس نے اس کو اس چھچھورے نام سے کنیز فاطمہ جیسا بھتے والا نام عطا کیا تھا لڑکی سے اس کا بے پناہ پیار اور لڑکوں سے دوری دیکھ کر چچی اماں کڑھا کرتیں۔

" لو دیکھو۔ گھر کے چراغوں کو تیل دینے کے بجائے پرائی روشنی کو گلے لگائے رہے ہیں!"

www.taemeernews.com

وہ ایک ہنستی گڑیا کو گلے کا ہار بنائے رکھتی ـــــ گڑیا کی بدولت اماں ابا کو اپنی کھوئی ہوئی بیٹی مل گئی پہلے وہ میکے جانے سے گھبراتی تھی مگر اب ہر آٹھویں دن اماں کے پاس پہونچ جاتی۔

اس کی دیکھا دیکھی احسن بھی گڑیا کو زیادہ ماننے لگا۔

"یا اللہ گڑیا کی شادی ہو جائے گی تو میں اس کے بغیر کیسے رہ سکوں گی!" وہ لاڈ بھرے خوف کے ساتھ کہتی۔

"جس طرح تم اپنی ماں کے بغیر رہ لیں۔ احسن ہنس کر کہتا۔ جانِ من۔ دنیا کا یہی دستور ہے"

گڑیا جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی اس کا ماضی گویا واپس آ رہا تھا۔ وہی رنگ، وہی روپ وہی چال ڈھال، وہی چوڑا چکلا دمکتا ہوا چہرہ، وہی لمبے لمبے سیاہ بال۔ وہی عادتیں ـــ وہی مزاج، وہی اکڑفوں۔ جس روز گڑیا کی سولھویں سالگرہ تھی کنیز فاطمہ کا دل خوشیوں سے پھٹا جا رہا تھا۔ لپک کے اِدھر۔ دوڑ کے اُدھر۔ مہمانوں کو خوش آمدید کہنا۔ چائے پانی دیکھنا آئے ہوئے تحفے سنبھال کر رکھنا۔ پچاسوں کام تھے اور وہ پھرکی کی طرح ناچے جا رہی تھی۔

"کنیز۔ آج تمھیں پھر گڑیا پکارنے کو جی چاہ رہا ہے!"

احسن نے اس کے پاس آ کر شرارت سے کہا۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟ وہ زور سے بگڑی دیکھو احسن مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ پھر وہی بچوں جیسا نام!"

"بخدا۔ اس سرخ ساڑی میں لپٹی گڑیا ہی لگ رہی ہو!" احسن چھیڑ رہا تھا۔

"میں کہتی ہوں ہوش میں رہو" احسن اگر اس کو گڑیا کہہ کر تعریف نہ کرتا تو وہ پھول نہ سماتی۔

"خیر اب اللہ رکھے کسی طرح کسی طرف سے بھی گڑیا کہی جانے والی نہیں رہیں۔ اب تو کنیز فاطمہ ہی موزوں ہے ان پر۔ منجھلی بھابھی بول اٹھیں۔ اب ماشاءاللہ اس کلّہ ٹھلّہ پر

www.taemeernews.com

بیگم صاحبہ کہو تو درست ہے اور پھر اب سن کا بھی تقاضہ ہے!"

"یہ کہہ کر میرا دل نہ چھوٹا کیجئے بھابھی۔ احسن نے کہا۔ حالانکہ سراسر مذاق میں کہا تھا۔ دیکھنے والے اب بھی مجھے بتیس سال کا سمجھتے ہیں اس لحاظ سے تو میں ان کے سامنے گڈا ہی بن جاؤں گا!"

"اے چلو اپنے منہ میاں مٹھو نہ بنو۔ منجھلی بھابھی ہنس دی اور بڑے سلیقے سے اپنے کھچڑی بالوں پہ کامدار ڈوپٹہ برابر کیا۔ دور سے سفید بال چمکتے ہیں۔ کوئی آنکھ کا اندھا ہی تیس سال کا سمجھے گا!"

"کیوں بیگم۔ تمہارا کیا خیال ہے۔" احسن نے گھوم کر اس کو دیکھا—!

لیکن وہ ..... وہ تو عجیب ہی عالم میں تھی اس کے دل کو حقیقت اور وقت کا وہ زوردار گھونسہ پڑا تھا کہ ہل کر رہ گئی تھی وہ۔ ایک عجیب سی کیفیت اس کی رگ رگ پہ طاری ہو گئی تھی۔ اس نے سر سے پاؤں تک احسن کو دیکھا گزرتے ہوئے ماہ و سال نے واقعی اس پر اپنا کوئی واضح اثر نہ ڈالا تھا۔ ویسا ہی تروتازہ ویسا ہی شاداب، ویسا ہی بشاش۔ بھونرا جیسے بال تنا ہوا سینہ۔

"امی۔ امی۔ یہ دیکھئے ایک سفید بال!" شنو بھی اب اس کے کندھے تک آ گئی تھی ہاتھ بڑھا کر اس نے کنیز فاطمہ کی کنپٹی کے اوپر لہراتی لٹ انگلی سے چھیڑی۔

"یہ نہ دیکھئے سفید بال!"

کنیز فاطمہ! برف بن گئی۔ زندگی کا یہ موڑ کسقدر بھیانک تھا! اچانک وہ—! مڑی اور سارے ہنگامے، ساری چہل پہل ساری روشنیاں چھوڑ کر تیر کی طرح سنناتی وہ اپنے کمرے میں پہونچی۔ اندر سے دروازہ بند کر کے لرزتی ہوئی، ڈری ڈری سی وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

گڑیا کی دیکھ بھال، گڑیا کے بناؤ سنگھار اور گڑیا کے چونچلوں میں وہ اپنے آپ کو بھول

www.taemeernews.com

جارہی تھی۔ نہ گت کی کنگھی، نہ قاعدے کے کپڑے، پہلے وہ اپنی آرائش اور لباس پر کافی وقت صرف کیا کرتی تھی۔ ایک تو اللہ نے صورت اچھی دی تھی دوسرے اس کو احساس حسن بھی دیا تھا۔ خوب سے خوب تر بننے کی خواہش دی تھی۔ دوسرے یہ کہ احسن کو وہ سچی سنوری اور بھی زیادہ قیامت نظر آتی تھی۔ لیکن، گڑیا کی پیدائش کے بعد سے وہ یکسر بدل گئی تھی۔

اور اب؟ اس وقت! اس کو اپنی لاپرواہی پر کوفت ہو رہی تھی۔ احسن سے ہمدردی ہو رہی تھی۔ احسن پر ترس آرہا تھا۔ اپنی زیادتی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ احسن کھل کر تو نہ کہتا دبی زبان میں اس کو ٹوکا کرتا مگر وہ اپنے حالوں میں اس قدر مگن تھی کہ غور نہ کر پاتی۔ اگر شنو نے زبردستی اس کو کپڑے نہ پہنوائے ہوتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو سنوارا نہ ہوتا تو آج بھی وہ اسی طرح اجڑی اجڑائی گھومتی رہتی اور گڑیا کی ناز برداری کیا کرتی۔

آئینہ میں ایک بھرپور عورت گھڑی تھی۔ باوقار، بھاری بھرکم، بھنورے جیسے بال اس نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسلم کے بھنورے جیسے بالوں کا تصور کیا مگر یہ کیا؟ اس کے ہاتھ کی جنبش کے ساتھ ہی ان گھٹاؤں میں بجلی چمکی!

نہیں نہیں! کوئی سفید دھاگہ واگہ رہا ہوگا کنیز فاطمہ نے اپنے دل کو تسلی دی) اور داہنی جانب بالوں کو چھیڑا۔ چم چم کرتے کئی چاندی کے تار نظر آئے کنگھا اس کے ہاتھوں سے شیشے کی سطح پر گرا۔ جھن جھناک کی دل خراش سی آواز ہوئی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے چھوٹا گول شیشہ اٹھایا اور چہرے کے قریب لاکر دیکھنے لگی۔

سرخ و سفید مکھن جیسے چہرے پر ڈھیلا پن آچکا تھا۔ بڑی بڑی قاتل آنکھوں کے گوشے پر شکن ہو رہے تھے۔

"میرا دل چھوٹا نہ کیجئے! گڈا ہی لگوں گا ان کے سامنے!"

احسن کانوں کے پاس بول رہا تھا۔ اس نے آئینہ رکھ دیا

"بخدا۔ اس سرخ ساڑھی میں بالکل گڑیا لگ رہی ہو" احسن کے لہجے میں اب بھی پیار تھا!

www.taemeernews.com

دل سے نکلی یہ آواز اس کے دل میں گدگدی پیدا کرنے لگی وہ آئینے کے سامنے مڑی۔ جلدی جلدی بال کھولے ــــ بڑی محنت اور تیزی سے اس نے جتنے بھی سفید بال نظر آرہے تھے توڑ توڑ کر ہوا میں اڑا دیئے ــــ! نفیس سا میک اَپ کرنے کے بعد اس نے جائزہ لیا۔ وہ اب بھی بے حد حسین تھی۔ بڑی ہی پرکشش ــــ! اس کا جی چاہا احسن آجائے! اپنی ساری محبتوں اور چاہتوں کے ساتھ! مگر اس کے بجائے گڑیا آگئی تھی۔ سجی۔ سنوری۔ گلاب کی کلی۔

وہ امی۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔ آخر یہ لوگ کب تک مجھے گڑیا کہتے رہیں گے۔ ہاں مجھے نہیں اچھا لگتا۔ اب میں بڑی ہو گئی ہوں گڑیا بڑیا نہیں رہی۔!

اس کی آواز اس کی خفگی، اس کے خیالات، اس کے احساسات، اس کا نام، اس کا حسن ... سب ہی کچھ تو اس لڑکی نے لے لیا تھا۔

"اچھا اچھا۔ کہہ دوں گی سب سے گڑیا نہ کہا کریں۔ سنو ذرا اپنے پاپا کو بلا لاؤ!"

احسن تو حکم کا بندہ تھا۔ بھاگا چلا آیا۔ "مجھے کیوں بلایا ہے بیگم؟"

"کیا مار وقت سے پہلے بوڑھا بنائے دے رہے ہیں" وہ اٹھلائی۔ بیگم۔ بیگم۔ توبہ!

"تمہیں بوڑھا کون کہے گا میری جان" احسن کے مضبوط بازو اس کے گرد بندھ گئے۔ بڑے لاڈ سے اس نے احسن کے کشادہ سینے پر سر رکھ دیا۔ برسوں کے بعد اس ناز اور پیار سے اس گرمجوشی سے جیسے شادی کے بعد گڑیا کی پیدائش سے پہلے دکھایا کرتی تھی ــــ!

"سچ احسن۔ میں بالکل جوان لگتی ہوں نا؟"

"بالکل!"

"تو پھر۔ تو پھر مجھے اسی نام سے پکارو ..... اسی نام سے جو تمہیں دل سے پسند ہو"

"اوہو۔ احسن جھوم ہی تو اٹھا۔ ہنس کر بڑے پیار سے بڑے شہدیلے لہجے میں وہ بولا ــــ!

"گڑیا!"

---

www.taemeernews.com

افسانہ

جو ہم نے داستاں اپنی سنائی

بڑے دنوں کے بعد تم سے ملاقات ہوئی فاخرہ! کہو! کہاں رہیں اتنے عرصے؟ بڑی دبلی اور زرد زرد سی نظر آرہی ہو۔ کیا ہوگیا تھیں؟ بیمار تھیں کیا؟ نہ پوچھوں۔ اچھا نہ پوچھوں گی۔ اپنی سناؤں؟ ضرور سناؤں گی۔ ان تین برسوں میں کیا کیا نہ ہوگیا فاخرہ۔ محبت کی۔ بی اے کیا۔ ہاں ہاں دونوں کام ہوئے ہاہاہا اور دونوں میں کامیابی ملی۔ ہا ہا ہا۔ اپنی قسمت پر جتنا ناز نہ کروں کم ہے جس کو چاہا جس کو پسند کیا اس کو حاصل بھی کر لیا۔

تمھیں خبر کیوں نہ کی؟ پگلی! کہاں کرتی خبر! تم تو نہ جانے کہاں کہاں گھوم رہی تھیں نہ اتا نہ پتا کہاں کھو جتی تم کو۔ ہائے ہائے بڑا جی چاہتا تھا کسی کو اپنی محبت کا راز دار بناؤں۔ اپنے پیار کے قصے سناؤں۔ اچھا! تم اپنے ننہال چلی گئی تھیں۔ اتنے دن وہاں رہیں کیوں بھلا؟ بے کہے سنے یہاں سے غائب کیوں ہوگئیں؟ نہ پوچھوں؟ اچھا نہیں پوچھوں گی ہاں فاخرہ میری سنو۔ تم یہاں سے چلی گئیں تو کیا ہوا میری ملاقات ایک بانکے سجیلے نوجوان سے ہوگئی کیا کہوں فاخرہ پیاری۔ پہلی ہی نظر میں اس کو دل دے بیٹھی اور وہ بھی میری طرف بے اختیار کھنچا چلا آیا۔ ہم ایک دوسرے کے لئے دیوانے ہوگئے۔

www.taemeernews.com

ہا ہا ہا۔ گھر والوں کو جب معلوم ہوا۔ بڑی مخالفت کی سب نے۔ اپنے برابر کا نہیں ہے۔
تنخواہ کم پاتا ہے یہ اور وہ ہزاروں باتیں۔ مگر میں نہ مانی۔ محبت کا بڑا پکا رنگ چڑھا
تھا نا ہا ہا ہا۔ اس کے لئے گھر بار، دولت سب پر لات ماردی گھر سے نکلی اور سیدھی اس کے
پاس پہونچی۔ اس کو یہ سب معلوم ہوا تو شرافت دیکھو اس کی مجھے سمجھا بجھا کے اپنے ساتھ
میری کوٹھی پر واپس لایا اور کہا۔ ڈیڈی سے معافی مانگو۔ بس فاخرہ! اس کی یہ بڑائی یہ
شرافت ڈیڈی کو ایسی بھائی کہ اس کو داماد بنانے پر تیار ہو گئے۔ محبت کی جیت ہوئی۔
بڑی دھوم دھام سے ہماری شادی ہوئی۔ نہ ہوئیں تم بڑا مزہ آتا ——! ڈیڈی نے یہ بنگلہ
میرے شوہر کو سلامی میں دیا ہے۔ آخر میرے جہیز کے شایانِ شان مکان بھی تو ہونا چاہیئے تھا نا۔
بھائی جان نے مجھے کار دی۔ بھائی صاحب نے ٹی، وی اور فرج۔ آپا نے زیورات کے دو سیٹ
اور دس ساڑھیاں دیں۔ ڈیڈی نے لاکھوں کا جہیز دیا۔ دولھا بھائی نے تمھارے بہنوئی کو
اپنی فرم کا مینیجر بنا دیا۔ فاخرہ! اب وہ معمولی آدمی نہیں رہا ہے ہمارے برابر کا ہو گیا ہے۔
ارے۔ ہر وقت میرے ارد گرد منڈلاتا پھرتا ہے جیسے پھول کے گرد بھنورا....
چاند کے گرد چکور —— اور تم پوچھتی ہو کیسا سلوک ہے اس کا میرے ساتھ۔ یوں سمجھو شادی کے
قبل بھی میں اس کی محبوبہ تھی اور شادی کے بعد بھی محبوبہ ہوں اور محبوب بیوی بھی۔ ہا ہا ہا۔۔ ہوں نا
نصیبوں والی۔ ارے تمھیں کیا بتاؤں فاخرہ! میرے میاں کو ایک پگلی سی لڑکی نے بھی چاہا تھا
ہاں۔ انھوں نے بڑے مزے لے لیکر اس کے قصے سنائے۔ میرے میاں نے اس کو خوب بیوقوف
بنایا۔ ان کو اس پگلی سے ذرا بھی محبت نہیں تھی۔ بس۔ وہی گلے پڑ گئی تھی۔ ان ہی جیسی کسی معمولی
خاندان والی لڑکی تھی۔ بھلا ان کو کیا ملتا اس سے؟ میں جگمگاتا دمکتا ہیرا تھی۔ وہ کوڑے میں
پڑا مٹی میں سنا ننھا سا موتی۔ میں آسمان تھی وہ زمین۔ میرے شوہر کے مقدر میں روشنیاں
تھیں تو وہ اندھیرے کیوں سمیٹتے۔ سنا ہے وہ لڑکی اپنا دل ٹوٹنے کا صدمہ نہ سہہ سکی منہ چھپا کر
نکل گئی کہیں۔ اوہ۔ چھوڑو بھی بلاوجہ یہ بور قصہ لے بیٹھی۔ آؤ۔ تمھیں اپنا بنگلہ دکھاؤں

www.taemeernews.com

یہ ڈرائنگ روم، یہ ڈریسنگ روم دیکھو۔ اور یہ دیکھو، ہمارا بیڈ روم کیسا حسین بنوایا ہے میں نے ——! کیا کہا یہ فوٹو؟ کس کا ہے؟ ہاہاہا ارے یہ میرے میاں کا ہے۔ تمہارے بہنوئی کا۔ دیکھو کتنے خوبصورت کس قدر شاندار ہیں۔۔" مسکراہٹ تو کسی وقت انکے لبوں سے الگ نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔ ارے! یہ تم کانپ کیوں رہی ہو! کیا ہو گیا تمھیں؟ کچھ نہیں؟ واہ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کرو فاخرہ! تم بہت کمزور ہو رہی ہو۔ آؤ چلو بیٹھیں تمہارے لئے چائے منگاؤں۔ ذرا یہ گھنٹی تو بجا!۔ ارے یوں نہیں بجگی۔ ایسے۔ ہاہاہا یہ نوکر کمبخت سب کے سب پاجی ہیں۔ سب کچن میں جا کے مرجاتے ہیں ——!

اوہ! آج میں تمھیں دیکھ کر کتنی خوش ہوں کہہ نہیں سکتی میری شادی میں نہ ہوئیں تم۔ کیا شاندار برات آئی تھی۔ ہزاروں کا مجمع ہو گیا تھا۔ لوگ اب بھی مثال دیتے ہیں۔ وقار۔ یہ میرے میاں کا نام ہے۔ اتنے پیارے دولہا بنے تھے کہ لوگوں کی نظریں لگی جارہی تھیں۔ ارے تم پھر آنکھیں بند کرنے لگیں —— لو یہ سیب کھاؤ بڑا عمدہ ہے۔ یہ سنترہ بھی لو خوب میٹھا ہے یہ نمکین کاجو تو لئے نہیں تم نے اور یہ بادام لو بھئی کھاؤ۔ کھاؤ نا۔ ذرا طاقت تو آئے۔ کبھی گلاب کا پھول ہوا کرتی تھیں۔ ہم سب سہیلیوں کے جھرمٹ میں چاند نظر آتی تھیں۔ اب گینیے کی مرجھائی کلی لگ رہی ہو کون سا روگ لگا لیا تم نے فاخرہ؟ نہیں بتاؤ گی اچھا! نہ بتاؤ لو چائے پیو۔"

وقار تو کہیں شام کو آئیں گے۔ اکثر ان کو دیر ہو جاتی ہے آتے ہی مجھے پکاریں گے۔ "ڈارلنگ!" اور میں کہیں بھی ہوں وہیں پہونچ جائیں گے۔ سچ فاخرہ! ان کا یہ ڈھیر سا پیار مجھ سے سنبھالے نہیں سنبھلتا اور اب ۔۔۔۔۔ اور اب تو ۔۔۔۔۔ ہائے شرم آتی ہے۔ بتاؤں؟ اچھا سنو۔ اب تو میرے اندر ان کے اس بے پناہ پیار کی نشانی بھی پرورش پا رہی ہے۔ ہاں فاخرہ! میں ماں بننے والی ہوں۔ وقار تو خوشی سے دیوانے ہو گئے تھے جب میں نے یہ خبر انھیں سنائی تھی۔ مجھے گود میں اٹھا کر ناچنے لگے تھے بے شرم کہیں کے۔ ابھی سے ننھے کے لئے ڈھیروں سامان اکٹھا کر لیا ہے۔ ننھا منا خوبصورت جھولا۔ ننھی سی کرسی میز

www.taemeernews.com

ان گنت کھلونے۔ ٹرائی سکل۔ لکڑی کا گھوڑا موٹر اوہ پوچھو نہیں کتنی بے تابی سے ان کے ننھے کے آنے کا انتظار رہے دن گنا کرتے ہیں ـــــ ان کو یقین ہے ننھا ہی ہوگا کہتے ہیں اچھی سی اچھی تعلیم دلاؤں گا۔ فارن بھیجوں گا۔ یہ کروں گا وہ کروں گا۔ توبہ! میں تو تھک جاتی ہوں ان کی اس پیار بھری بکواس کو سن کر۔ کیا مجال جو کوئی بھاری چیز مجھے اٹھانے دیں اور مجھے ذرا بھی چپ ہونے دیں کہتے ہیں ہنستی رہو، خوش رہو تاکہ ہمارا بچہ خوب صحت مند اور ہنس مکھ پیدا ہو۔ سچ کہتی ہوں فاخرہ۔ ان کا جیسا نیک اور محبت کرنے والا شوہر مجھے دوسرا نہیں مل سکتا تھا۔

فاخرہ۔ فاخرہ۔ کیوں کیا ہوا تمھیں؟ ارے تم رو کیوں رہی ہو فاخرہ؟ کیا تکلیف ہے تمھیں؟ مجھے نہیں بتاؤ گی؟

نہیں شاہدہ کچھ نہیں بتاؤں گی میں تمھیں۔ تمھاری ہنستی کھیلتی زندگی میں زہر گھول کر مجھے کچھ نہیں ملیگا۔ خدا کرے تمھارا بچہ دنیا بھر کی خوشیاں سمیٹے میرے اس بچے کی تاریخ دنیا میں آنے سے پہلے نالی میں نہ بہا دیا جائے۔

"فاخرہ!"

"اپنے نیک اور محبت کرنے والے فرشتہ خصلت شوہر سے کبھی نہ کہنا شاہدہ کہ ایک پگلی سی لڑکی ان کی دہلیز پر آئی تھی۔"

"فاخرہ۔ فاخرہ۔ رکو تو سہی۔ سنو تو سہی! اُف اللہ یہ سب کیا ہے۔ بغیر کچھ بتائے بغیر کچھ کہے، یہ یکایک اُٹھ کر چلی کیوں گئی؟ اور پھر۔ میری باتیں سن کر یہ کمبخت رُو کیوں رہی تھی؟

---

www.taemeernews.com

افسانہ

"اگر اور جیتے رہتے!"

بی اماں کی بجھتی ہوئی آنکھیں دروازے پر لگی تھیں۔
تین دن۔ اور تین راتیں ہو چکی تھیں۔
وہ مسلسل ایک انداز میں دروازے کو تکے جا رہی تھیں ان کا سارا جسم بے حس و حرکت اور سرد تھا۔ بس سارا دم آنکھوں میں کھنچ آیا تھا۔
بڑی بڑی دھندلی آنکھیں۔ غلافی بھاری پرشکن پپوٹے ذرا ذرا دیر بعد جنبش کرتے۔ بے رونق پتلیاں سفید ڈھیلوں میں کانپتیں اور پھر ساکت ہو جاتیں۔
بھائی ابا ان کی یہ حالت دیکھ کر ادھ موئے ہو گئے تھے۔ ہر وقت بولنے اور مستقل کوئی نہ کوئی کام کر کے اپنے جسم کو متحرک رکھنے والی بی اماں اس بے بس اور بے کس انداز میں پڑی تھیں کہ دیکھ کر کلیجہ پھٹنے لگتا تھا۔ بھائی ابا کا تو چھتیس برس کا ساتھ تھا محلے ٹولے والے بھی ان کو اس حالت میں دیکھتے تو آنسو بہائے بغیر نہ رہ پاتے ——
مگر کون کب تک کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ سب وقتی ہمدردی کرتے، تسلی دلاسہ دیتے

www.taemeernews.com

اور اپنی اپنی راہ ہو لیتے۔ بس اب بھائی ابا تھے۔ گھر کی تنہائیاں تھیں اور مجبور بے کس، بی اماں!

بی اماں، تین جوان لڑکوں اور دو بیاہی لڑکیوں کی ماں۔ جنھیں لوگ خوش نصیب ماں کہا کرتے تھے۔ نصیبوں والی ماں کہا کرتے تھے۔ لڑکے سب اعلیٰ تعلیمیافتہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز۔ لڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں بے حد خوش اور مطمئن۔ سونے سے پیلی اور چاندی سے اجلی۔ پھر بھی آج، بی اماں تن تنہا موت کا منہ دھیرے دھیرے پی رہی تھیں۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔

بی اماں پر ۱۵ دن قبل فالج کا حملہ ہوا تھا۔ پورا دھڑ منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ بس صرف زبان میں طاقت اور حرکت رہ گئی تھی۔ وہ بستر پر پڑی پڑی مہترانی کو ہدایت دیتیں۔ بوا سے باتیں کرتیں اور بھائی ابّا سے سوال پر سوال کئے جاتیں۔

"میاں! ڈاکیہ آیا؟ کب آئے گا؟ میاں عزّو کا تار آنا چاہیئے؟ میاں عزّو کو ٹرنک کال کرنا چاہیئے تھا۔ میاں عزّو کب آئے گا؟ میری آنکھیں اس کا انتظار کرتے کرتے بند نہ ہو جائیں۔ میاں عزّو جہاز سے آئے گا نا؟ کتنے دن میں پہونچے گا یہاں؟"

اسی طرح ڈھیروں سوال وہ پڑی پڑی کرتیں اور میاں بڑے صبر سے جواب دیا کرتے تسلیاں دیا کرتے۔ جھوٹی تسلّیاں!

بھائی ابا خوب جانتے تھے وہ بیوی کو جھوٹے دلاسے دے رہے ہیں۔

لیکن، یہ راز صرف ان ہی کو معلوم تھا۔ وہ آج سے نہیں بلکہ پانچ برس سے بی اماں کو جھوٹے دلاسے دے رہے تھے ان کی آس اور امید بندھائے ہوئے تھے۔

ان کا سب سے چھوٹا بیٹا عزّت علی، پانچ برس پہلے کینیڈا گیا تھا۔ ماں کو اطمینان دلا کر خواب دکھا کے، باتیں بنائیں، وعدے کئے، قسمیں کھائیں کہ وہ پانچ برس سے پہلے ہی وطن لوٹ آئے گا۔ ڈھیروں روپیہ کما کر لائے گا۔ بالکل نئے فیشن کا بنگلہ، اسی بنگلے کی گیرج

www.taemeernews.com

ایک خوبصورت کارہو گی۔ مٹی کے چولھے کی جگہ گیس کا چولھا ہو گا۔ لالٹین کی جگہ بجلی ہو گی۔
بی اماں گرمیوں کی دوپہروں میں کھجور کی پنکھیا ہاتھ میں لئے گرمی سے بولائی نہیں پھریں گی
ٹھنڈے کمرے میں خس کی ٹٹیوں کی بھیگی مہک میں کولر کی ہوا کے مزے لیں گی۔

بھائی ابا شام کو اکتائے اکتائے پھرنے کے بجائے ٹی وی دیکھیں گے۔ یہ ہو گا اور وہ ہو گا

اف وہ! کیسے کیسے خواب دکھائے تھے عزّو نے، دو لڑکوں کی بے توجہی اور علیحدگی کا صدمہ
لڑکیوں کے میکے نہ آنے اور حد تو یہ کہ خطوط کے جواب تک نہ دینے کے غم بی اماں نے عزّو کی
ذات میں گم ہو کر بھلا دیئے تھے۔

وہ عزّو کے اوپر ساری محبت، ساری شفقت، ساری ممتا، ساری توجہ اور ساری
دلچسپی نچھاور کئے دے رہی تھیں۔ اس کو کالج سے آنے میں ذرا بھی دیر ہوتی تو بی اماں دہل
جاتیں۔ آنگن اور دروازے کی دھول لے ڈالتیں ——— ! ادھر وہ گھر میں آتا ادھر سیکڑوں
دعائیں اس پر دم کرتیں۔ باہر جاتے وقت بھی اس کا داہنا بازو تھامے دعائیں پڑھتی
دروازے تک جاتیں۔ جب تک وہ نظر سے اوجھل نہ ہو جاتا منھ اس کی طرف کئے پھونکیں
مارا کرتیں۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اس کا منھ دیکھتیں۔ کبھی کبھی بھائی ابا اس دیوانہ وار محبت
سے چڑھ جاتے۔ ۲۳ برس کے نوجوان کو بی اماں نے ۶ ماہ کا بچّہ بنا کر رکھا تھا۔ مگر پھر ان کو
اس ممتا کی ماری پر ترس بھی آجاتا جو پانچ بچوں کی ماں ہونے کے باوجود تہی داماں نظر آتی۔
دونوں بہوؤں کو اپنی پرانے خیالات والی ساس سے وحشت ہوتی تھی۔ پوتے
پوتیاں سخت نالاں تھے۔ دونوں داماد پرانے گھر اور گھر کے ڈھچر کو ناپسند کرتے تھے۔
لڑکیاں بھی اب اپنے آرام دہ کشادہ بنگلے اور کھلا کھلا ہنستا کھیلتا ماحول چھوڑ کر اس
دقیانوسی فضا میں آنے سے گھبراتیں۔ بس ایک عزّو تھا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ رہ
رہا تھا۔ وہ بی اماں کو خوش کرنے کے لئے بھائیوں کی برائیاں کرتا۔ بہنوں کو بڑے سخت
خط لکھتا، ان کو شرم دلاتا۔ بی اماں کی بے چینی اور آنسوؤں کا حال انھیں لکھتا۔ پھر بی اماں

www.taemeernews.com

کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا۔

"دیکھنا بی اماں۔ میں تمھیں سونے کے تخت پہ بٹھاؤں گا ملکہ بناؤں گا۔ میں تمھارے سارے دکھ درد دور کروں گا۔ بی اماں میں بھائی صاحب اور بھائی جان نہیں بنوں گا"

بی اماں آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ ہنستی جاتیں اور اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں چلا چلا کر فرضی جوئیں ٹٹولتی جاتیں۔

جس روز عزّو نے ایم۔ اے کیا وہ روز بی اماں کے لئے روزِ عید تھا۔ انھوں نے سوئیاں پکائیں گھر گھر بانٹیں اپنے گھر میں اگربتیاں اور شمعیں جلائیں نذر دلائی خوشی کے مارے پاؤں زمین پہ نہ پڑ رہے تھے۔

"اب میرا عزّو نوکر ہو جائے گا۔ چاند سی بہو لاؤں گی اس سونے آنگن میں عزّو کے بچے پھول بن کر مہکیں گے۔ چراغ بن کر روشنی پھیلائیں گے چڑیوں کی طرح چہکیں گے۔"

انھوں نے عزّو کے لئے ایک پیاری سی بیوی کی تلاش شروع کر دی تھی۔ گھر کا سونا پن اب اور برداشت نہیں ہو رہا تھا لیکن، ایک روز عزّو نے اعلان کر دیا۔ وہ ابھی نہ شادی کریگا نہ یہاں سروس کریگا وہ۔ فارن جائیگا بی اماں کے ہاتھوں کے خوش رنگ طوطے اڑ گئے عزّو نے ان کا سفید چہرہ دیکھا تو لاڈ سے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"ارے بی اماں۔ میں تمھیں اور بھائی ابا کو ساتھ لے چلوں گا۔"

"اے ہے نوج" بی اماں بولیں اور بڑے پیار سے اپنے جوان جہان بیٹے کو ننھے سے عزّو کی صورت میں اپنے کمزور بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"نا بیٹا۔ میں اپنی دہلیز چھوڑ کے کبھی مردے فارن یارن نہ جاؤں گی!"

"اچھا" عزّو نے ان کے رخسار تھپکے۔ میری اچھی میری پیاری امّو میں چلا جاؤں گا اور وہاں سے ہر ماہ ڈھیروں روپیہ بھیجا کروں گا!"

"نا۔ نا۔ میں باز آئی ایسے روپوں سے۔ بی اماں دہل گئیں۔ تم میری نظروں کے سامنے رہو

www.taemeernews.com

بس مجھے اور کچھ نہ چاہیئے"

"بی اماں۔ عزّو نے ان کو شیشے میں اتارنا شروع کیا۔

یہ تمھارے بیٹے کی ترقی کا سوال ہے مستقبل کا سوال ہے یہاں رہ کر میرے خواب پورے نہ ہونگے"

کئی روز تک عزّو بی اماں کو سمجھاتا رہا۔ آخر میں ان کو ہار ماننا ہی پڑی۔ بھائی ابّا تو بس خاموش تماشائی تھے۔ بی اماں ہی کا سکّہ چلتا تھا۔ وہ قیامت کا دن، بھی آخر بی اماں جھیل لے گئیں جس دن عزّو نے کینیڈا کا سفر کیا تھا

محض اس امید پر اس وعدے پر کہ عزّو دو بڑے بیٹوں کی طرح ان سے دُور نہیں ہوگا۔ ہر پندرھویں دن اس کا خط آئے گا ہر مہینے اپنا تازہ فوٹو بھیجے گا اور جلد سے جلد واپسی کی کوشش کریگا

عزّو نے شاید پہلے ہی بالا بالا کوشش کر رکھی تھی۔ جاتے کے ساتھ نوکری مل گئی گھر مل گیا۔ تیسرے ماہ اس نے چھ سو روپے بھیجے۔ بی اماں گھر میں ناچی ناچی پھریں — بار بار عزّو کے پیارے سے رنگین فوٹو کو چومتیں — خط کو آنکھوں سے لگاتیں۔ اور سو سو کے کرارے نوٹ تاش کے پتوں کی طرح پھینٹ پھینٹ کر بچوں کے مانند کھلکھلا اٹھتیں ——!

ان روپوں سے انھوں نے اپنے اور بھائی ابا کے کپڑے بنوائے کیونکہ عزّو نے بہت تاکید سے لکھا تھا۔ ان کے پاندان پر برسوں سے قلعی نہیں ہوئی تھی قلعی کروائی ایک جانماز خریدی اور آنکھوں میں خواب سجا کے بیٹھ گئیں۔ تیسرے ماہ عزّو نے پھر چھ سو روپے بھیجے۔ بی اماں کو اب ذرا ڈھارس بندھی کہ ان کا عزّو بھائیوں کی طرح دل پتھر نہیں بنائے گا——

ہوتے ہوتے ایک سال گزر گیا۔ عزّو نے دھیرے دھیرے ہر ماہ فوٹو بھیجنے بند

www.taemeernews.com

کر دیئے۔ عذر یہ کیا مصروفیت کی وجہ سے فوٹو کھچوا نہیں پاتا ہوں۔ خیر چلو صبر کیا۔ ڈھیروں فوٹو آچکے تھے بی اماں ان ہی کو دیکھ کر کلیجہ ٹھنڈا کر لیا کرتی۔ روپے تیسرے ماہ کے بجائے چار چار ماہ بعد آنے لگے پھر پانچویں ماہ پھر چھٹے ماہ اور تیسرے سال یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ بی اماں کی آس پھر بھی نہ ٹوٹی۔ عزّو کے خط پابندی سے آرہے تھے وہ روپے نہ بھیجنے کی معافی مانگتا۔ اس نے لکھا تھا نوکری چھوٹ گئی ہے دوسری جگہ کوشش کر رہا ہوں۔

" ہائے پردیس میں میرا بچہ پریشان ہو گا۔ " بی اماں نے کلیجہ پکڑ لیا۔ میاں! کھیت بیچ ڈالو اور اس کو پیسے بھیج دو

" کیا بات کرتی ہو بیگم۔ اپنا یہ سہارا ختم کر دوں ـــــ بھائی ابا نے صاف انکار کر دیا بی اماں بہت روئیں۔ چلّائیں مگر بھائی ابّا ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ہاں! یہ تو وہی جانتے تھے کون کتنے پانی میں ہے۔ عزّو کو بھی کینڈا کی ہَوا لگی تھی۔ اس نے دوسرے ہی سال بی اماں کو صاف صاف لکھ دیا تھا کہ اس نے اپنے آفس کی ایک خوبصورت ٹائپسٹ کے ساتھ شادی کر لی ہے اور اب بی اماں اس کے لئے دلہن تلاش کرنے کی زحمت نہ کریں۔ پھر اس نے لکھا اب میں اپنی گرہستی میں پھنس گیا ہوں آپ کو خرچ نہیں بھیج پاؤں گا۔ کھیت کا غلہ آپ دونوں کے لئے کافی ہے

پھر اس نے لکھا - - - - - - !

اور بھائی ابا بڑے صبر و ضبط کے ساتھ یہ خطوط ہضم کرتے رہے بی اماں کو ہوا بھی نہ لگنے دی ـــــ

بی اماں اپنی دنیا میں مگن تھیں۔ گھر کے کام کاج سے فرصت کر کے وہ باہر نکل جاتیں کیونکہ پاؤں میں سنیچّر باندھ کر وہ عزّو کی دلہن ڈھونڈھ رہی تھیں۔ ابھی سے انھوں نے ٹکڑوں پارچوں سے ننھّے ننھّے گبھّے تکئے ٹوپیاں اور کلوٹ سینا شروع کر دیئے تھے

www.taemeernews.com

ایک پرانا بکس ان کپڑوں سے بھر گیا تھا۔ بھائی ابا ان کے خوابوں کو ان سے چھیننا نہیں چاہتے تھے۔ اب، پانچواں برس ختم ہو رہا تھا۔ اور بی اماں بے تابی سے عزّو کے آنے کی منتظر تھیں۔ تانبے کی ایک بھاری پتیلی بیچ کر انھوں نے سارے گھر پر قلعی کروائی تھی۔ عزّو کے کمرے کے دروازے ہرے رنگ سے پینٹ کرائے تھے۔ بڑی محنت کر کے اس کا کمرہ سجایا سنوارا تھا۔ اب ہر چاپ ان کو عزّو کی چاپ معلوم ہوتی۔ ہر آہٹ پر سانس روک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگتیں — آسمان پر اڑنے والے ہر جہاز کو سر اٹھا اٹھا کر دیر تک دیکھا کرتیں یوں جیسے ان کا عزّو اسی جہاز سے اڑا چلا آ رہا ہو۔ عزّو تو نہ آیا ہاں اس کے خط پابندی سے آتے رہے —

بی اماں گھبرائیے مت بس بہت جلدی آ رہا ہوں۔ پوسٹ مین کی آواز عید کا پیغام لاتی تھی۔

"میرے عزّو کا خط ہوگا۔" وہ بے تاب ہو کر لپکتیں۔ لفافے کو لیتے ہی پہلے سینے سے لگاتیں پھر ڈھیروں پیار کرتیں۔ پھر دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتیں پھر سہج سہج لفافہ کھولنا شروع کرتیں۔

کوئی پوچھتا تو بڑے ناز سے بڑے فخر سے بڑے غرور سے کہتیں :-

"اللہ نظرِ بد سے بچائے میرے عزّو چاند کا خط ہے۔ ارے کیا مجال جو پندرہ سے سولھواں دن ہو جائے جس طرح میں دن گن گن کر خط کا راستہ دیکھتی ہوں۔ اسی طرح وہ دن گن گن کر مجھے خط لکھتا ہے! میاں لو ذرا پڑھ کے سناؤ تو!"

بھائی ابا خط پڑھ کے سناتے بی اماں نہال ہو جاتیں

"دیکھا میاں میرے بچے کو! وہ ہنس کے میاں کو چڑاتیں۔ تم کہتے تھے عزّو بھی بھائی بہنوں کی طرح نکلے گا!"

"نہیں بھائی۔ میرا خیال غلط تھا۔" بھائی ابا زبردستی ہنستے۔ اور اب یہ دن بی اماں

www.taemeernews.com

گن گن کے گزار رہی تھیں کہ ایک صبح ان پر فالج کا حملہ ہو گیا۔ وہ پھر بھی عزو کا انتظار کرتی رہیں۔ اس کی باتیں کرتی رہیں۔ اس کی شادی کے پلان بناتی رہیں۔ انھوں نے تین لڑکیاں پسند کی تھیں۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کا انتخاب انھوں نے عزو پر چھوڑ دیا تھا۔

ایک روز اچانک، ان کی زبان بھی بند ہو گئی ـــــ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ اب وہ صرف ہڈیوں اور ڈھلے ہوئے سرد گوشت کا ایک ڈھیر تھیں۔ بس، آنکھوں میں دم اٹکا تھا منتظر آنکھیں۔ حسرت بھری آنکھیں بے نور ہوتی ہوئی آنکھیں۔ ہر آہٹ پر بے چینی سے جنبش کرنے والی آنکھیں۔ اب وہ گردن بھی نہیں پھرا سکتی تھیں۔ بس ذرا ذرا دیر بعد ان کے پپوٹے اٹھتے اور گرتے۔ بھائی ابا سے اب ان کی حالت دیکھی نہ جاتی یہ مجبور بے بس عورت اسی کمرے میں دلھن بن کے اتری تھی۔ اسی کمرے میں پانچ بار ماں بنی تھی۔ اسی کمرے میں اس نے اتنے برس گزارے تھے اور آج اسی کمرے میں موت کی گھڑیاں گن رہی تھی۔ اُف کیسی سخت موت تھی، روح اس مفلوج جسم کا پنجرہ کسی طرح سے چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ کیوں نہیں تیار تھی یہ بھائی ابّا اچھی طرح جانتے تھے۔ عزو کا انتظار۔ عزّو کی پیاری صورت کے دیدار کی تمنّا۔ عزّو کی آواز سننے کی آرزو اور بھائی ابا جانتے تھے عزّو نہیں آئے گا۔ ماں کی حالت سے بے خبر ماں کے انتظار سے بے پرواہ وہ زندگی کی رونقوں میں گم ہو گا۔ ایک نہیں کئی بار بھائی ابا بی اماں کے سرہانے سورہ یٰسٓ پڑھ چکے تھے کہ شاید روح کو تسکین ملے اور وہ بی اماں کی مشکل حل کر دے۔

مگر نہیں بی اماں کی آنکھیں پھر بھی کھلی رہیں۔ سرد جسم اور سپاٹ چہرے کا سارا کرب سارا درد ان کی آنکھوں میں کھنچ آیا تھا

تھک ہار کر آخر بھائی ابا نے طے کر لیا کہ وہ بی اماں کے اس کرب و اذیت کو ختم کر دیں گے! وہ کرسی سے اٹھے اور بی اماں کے پلنگ کی پٹی پر ٹک گئے۔ بی اماں کی نظریں ان کے چہرے کے بجائے دروازے پر جمی رہیں۔

www.taemeernews.com

"بیگم! تم میری آواز سن رہی ہو نا؟" بھائی ابا نے پوچھا۔ بی اماں کے پپوٹے بند ہوئے پھر کھلے جیسے ہاں کہہ رہی ہوں۔

"بیگم بہت تھک گئی ہو اب۔ سو جاؤ۔ بھائی ابا نے بڑی چاہت سے ان کے سفید الجھے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ آنکھوں کے دروازے بند کرلو۔..... اب کوئی نہیں آئیگا نہ وقار نہ دلدار اور نہ عزّو....."

بی اماں کی آنکھوں میں حیرت اور غصّے کے آثار ابھرے ان کے پپوٹے تیزی سے بند ہوئے پھر کھلے وہ اچھی ہوتیں تو یقیناً بھائی ابا کو کھانے دوڑتیں

"رہنے دو تم اپنا مشورہ۔ تمہیں مجھ ماں بیٹے کے بیچ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"

بھائی ابا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے دل کڑا کر کے وہ کہنے لگے

"بیگم یہ راز میں نے برسوں سے دل میں چھپا رکھا ہے۔ میں تمہارا دل ٹوٹتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اس آخری وقت تمہاری اس اذیت کو میں برداشت نہیں کر پا رہا ہوں اس لئے اِس راز سے پردہ اٹھانا ضروری ہے....."

بیگم کی آنکھیں دروازے سے ہٹ کر ان کے چہرے پر جم گئیں۔ استعجابیہ اور سوالیہ نگاہیں۔

"بیگم۔ بھائی ابا آخر کہہ گزرے۔ عزّو کے خط بس پہلے ہی سال آئے تھے..... دوسرے برس سے اس نے خط و کتابت ترک کر دی تھی۔

بی اماں کی آنکھیں حیرت سے اور بھی پھٹی پھٹی لگ رہی تھیں۔

"میں نے اس کو کئی خط بھیجے ان کا کوئی جواب نہ آیا۔ تم بیقرار تھیں بیگم۔ پوسٹ مین کے انتظار میں تم شام کے چار بجے تک پاگلوں کی طرح دروازے کے چکر کاٹا کرتیں۔ عزّو کی تصویر سے رو رو کر شکوے کرتیں تب میں نے ایک حل نکالا۔ میں نے عزّو کی طرف سے تمہیں ایک پیارا سا خط لکھا اور اپنے پتے پر پوسٹ کر دیا۔ تم خوش ہو گئیں۔ بہل گئیں میں نے

www.taemeernews.com

تم کو بہلاسے رکھا۔ ہر پندرھویں دن تم کو خط لکھتا رہا ـــــ نامتا کی ماری تم نے اس پر کبھی غور نہ کیا کہ یہ لفافے اپنے ہی ملک کے لفافے ہیں۔ میں نے اس کام کے لئے پوسٹ مین کو بھی تیار کر لیا تھا۔ وہ مجھے نیلے رنگ کے لفافے دیتا رہا اور میں تمھیں پابندی سے خط لکھتا رہا۔ بیگم وہ ڈھیر سارے خطوط جو تم نے کلیجے سے لگا کے رکھے تھے عزّو کے نہیں میرے ہاتھ کے تحریر کئے ہوئے تھے۔"

بی اماں کے پپوٹے بری طرح سے پھڑک رہے تھے۔
بے رونق پتلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں ـــــ!
یا اللہ! یہ بے آواز گریہ! یہ خاموش چیخیں ـــــ!
بھائی ابّا پھر بولے۔

"عزّو کے لئے تم یہاں دلھن تلاش کر رہی تھیں بیگم! وہاں اس نے ایک لڑکی سے شادی بھی کر لی ہے۔"

بی اماں کے غلافی پپوٹے بے نور آنکھوں پر آ گرے۔ ترسی، تپکی، منتظر بیقرار آنکھیں! بند ہو گئیں اور ان کی خفیف سی لرزش کو سکون میں بدلنے کے لئے بھائی ابّا اپنی کراہیں اور آنسو ضبط کر کے باآوازِ بلند سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کرنے لگے۔

---

www.taemeernews.com

افسانہ

موم کی چٹان

وکیل صاحب آصف کے کمرے میں سادہ لفافہ لینے گئے تھے مگر وہاں سے واپس ہوئے تو خالدہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا اور چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔

"ارے بھئی بیگم! انھوں نے چہک کر بیگم کو مخاطب کیا تو بیگم نے حیران ہو کر سر اٹھایا حیرانی کی بات ہی تھی، وکیل صاحب چہکتے کب تھے۔ زیادہ وقت تو ان کو گرجتے برستے ہی گزرتا تھا۔ کیا بیوی کیا بچے کیا نوکر چاکر، گھر والے ان کے اس انداز کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ جس روز کسی وقت وہ مسکرا کر بات کرتے تو وہ وقت سب پر حیرت و مسرت کا طوفان لیکر آتا تھا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ بیگم نے حیرت و مسرت کے طوفان کو بہ مشکل روکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" وہ کہنا تو یہ چاہتی تھیں۔

"کیوں چہک رہے ہیں آپ؟" لیکن اتنی ہمت کیسے کرتیں۔ ہاں کچھ ایسی ہی طبیعت تھی وکیل صاحب کی۔

لمبے چوڑے۔ گورے چٹے وکیل صاحب اپنے چوڑے سینے میں بڑا سخت دل رکھتے تھے۔

www.taemeernews.com

کم از کم لوگوں کا ایسا خیال تھا گھر پر ان ہی کا سکّہ چلتا تھا۔ وہ رعب و داب تھا کہ اِدھر وہ گھر میں داخل ہوئے اُدھر سنّاٹا چھا گیا۔ سوئی بھی گرے تو آواز سن لو۔

لڑکی آصفہ کوئی ۲۰ سال کی ہوگی اور لڑکا، آصف ۲۵ سال کا خوبرو تنومند نوجوان دونوں بڑے ہوگئے تھے اور آج کل کی فضا میں پروان چڑھے تھے مگر مجال کیا جو باپ کے سامنے اونچی آواز میں بات کر سکیں۔ وکیل تھا۔ یوں تو اپنے بچوں پر جان چھڑکتے تھے بیگم کو بھی ۳۰ سال کی رفاقت میں آج تک ان سے کوئی شکوہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ بیوی کے وفادار رہے تھے۔ یہ اور بات ہے ان کی محبت کا انداز ایسا ہی سخت ہوا کرتا جیسے وہ محبت نہ کر رہے ہوں ڈانٹ رہے ہوں ان کے بچے اچھے سے اچھا پہنتے کھاتے ان کو ہر طرح کا آرام میسّر تھا۔ وکیل صاحب ہر فرد کی معمولی سی معمولی بات کا خیال رکھتے تھے کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تو براہِ راست ان سے نہ کہتا —— ہمت ہی نہ ہوتی۔ بس وہ چیز سامنے رکھ دی جاتی یا اشاروں سے کام لیا جاتا۔ مثلاً گھر میں اصلی گھی ختم ہوگیا۔ میز پر بغیر بگھری دال آئے گی اور وکیل صاحب سمجھ جائیں گے گھی ختم ہوگیا ہے دوسرے ہی روز گھی آجائے گا۔ آصف کو کالج کی فیس چاہیئے یا نیا جوتا چاہیئے یا کسی نئے ڈیزائن کی بش شرٹ کے لئے دل مچل رہا ہو جب وکیل صاحب اپنے کمرے میں ہونگے تو ان کو سنا کر ماں سے کہے گا۔

"امی آپ کو یاد ہے۔ فیس ڈے ہے آج۔" یا ——

"امّی اب تو اس جوتے کو پہننے کا بالکل جی نہیں چاہتا یا۔ امّی! آپنے زبیر کی وہ بش شرٹ دیکھی ہے۔ جو ابھی بمبئی سے آیا تھا۔ کتنی اچھی تھی!"

دوسرے ہی روز زبیر ایک نئی بش شرٹ لیکر آجائیگا اور معلوم ہوگا

"انکل نے روپیے اور سلپ بھیجی تھی کہ بالکل اپنی ہی جیسی بش شرٹ آصف کیلئے خرید کر گھر پہونچا دو!"

فیس کے روپے آصف کو کھانے کی میز پر مل جائیں گے نئے جوتے کے لئے رقم الگ سے ملے گی

www.taemeernews.com

آصفہ کی اسی طرح فرمائش کیا کرتی تھی اور تو اور بیگم بھی یہی ترکیب استعمال کرتی تھیں نئی ساڑھی لینا ہوگی تو وکیل صاحب کے سامنے بیٹھ کر جو ساڑھی باندھ رکھی ہوگی اس میں کہیں سے ایک غرضی سوراخ یا کھونچ تلاش کر کے سینے تک جائیں گی وکیل صاحب ایک نظر دیکھ کے دوسری نظر نہیں ڈالیں گے۔ ہاں تحصیل سے واپسی پر ایک پیکٹ بیگم کے بستر پر پہونچ جائے گا ایک نہیں دو ساڑھیاں۔ قیمتی بھی اور خوبصورت بھی ——! وکیل صاحب بیگم اور بچوں کا ہی نہیں گھر میں پلنے بڑھنے والی اس یتیم و یسیر و بے سہارا لڑکی کا بھی بہت خیال رکھتے تھے جس کا نام خالدہ تھا۔

۲۰-۲۱ برس کی دبلی پتلی نازک اور خوبصورت خالدہ۔ وکیل صاحب کی تائید نہیں حکم تھا کہ جیسا لباس آصفہ پہنتی ہے ویسا ہی خالدہ کا ہو۔ جو کھانا آصف اور آصفہ کھاتے ہیں وہی خالدہ کی پلیٹ میں ہو۔ وہ کھانے کی میز پر خالدہ کی غیر حاضری کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور اب چاہے بیگم دل سے کریں یا مجبوری سے ان آصفہ اور خالدہ کو ایک ہی صف میں رکھنا ہوتا تھا اب وہ وکیل صاحب کو کس طرح بتائیں کہ خالدہ لاکھ ان سب کے ساتھ رہتی ہو۔ ایک میز پر کھاتی ہو۔ آصفہ کے برابر اس کی کبھی مسہری لگی ہو ہے گمنام والدین کی لڑکی ہے جو، ۲۰ برس قبل ان دونوں کو ایک سفر کے دوران ٹرین میں لاوارث پڑی ملی تھی ——! اور یہ لڑکی جس کی نہ ذات کا پتہ تھا نہ خاندان کا وہ اس معزز خاندان کی بہو کیسے بن سکتی ہے۔

بہو !!! وکیل صاحب تو اپنی بہو کو چراغ لے کر تلاش کرنے کا خیال بار بار ظاہر کر چکے تھے۔ ان کا لڑکا آصف لاکھوں میں ایک تھا۔ اس کے لئے لڑکی بھی لاکھوں میں ایک چاہیئے تھی۔ خود بیگم کی بھی یہی تمنا تھی لیکن وہ کس طرح بتائیں وکیل صاحب کو، آصف کی آنکھوں میں خالدہ کو دیکھ کر جو بے پناہ چمک پیدا ہوتی ہے وہ کس قدر خطرناک ہے۔

بیگم وکیل صاحب کے غصے سے ڈرتی تھیں، گرج سے دہلتی تھیں۔ شعلہ بار آنکھوں کے سامنے

www.taemeernews.com

جب جھیلنے کی ہمت ان میں خود نہ تھی تب وہ کیسے یہ گوارہ کرتیں کہ ان کا بیٹا آصف ان شعلوں کی تپش کے سامنے کھڑا ہو۔ وکیل صاحب میں ایک یہ عادت بھی تھی کہ جو بات ان کے سامنے ذرا بگڑے لہجے اور ڈرا دینے والے انداز میں پیش کی جاتی ہے وہ گرجتے برستے تو خیر تھے ہی لیکن اس بگڑے لہجے سے چڑھ کر اس بات کا رنگ اچھا بنا دیتے اور اس طرح کہنے والے کو کہہ کر پچھتاوا ہوتا۔ بیگم عجیب مشکل میں پھنسی تھیں۔ سوچتے سوچتے صبر کرتے کرتے آخر جب تنگ آ گئیں تو ایک روز وکیل صاحب کے سامنے آصفہ سے بولیں۔

"آصفہ! تم نے مسعود کی دلہن کو دیکھا کیسی پیاری ہے؟"

"ہاں امی۔" آصفہ بڑی حسرت سے بولی۔ سعیدہ کے تو پاؤں زمین پر نہیں لگتے۔ بھابھی بھابھی کہہ کے چمٹی رہتی ہے۔"

"شادی بھی مسعود کی اچھے سن پر ہوئی ہے۔"

۲۶-۲۷ برس کے سن میں لڑکے کی شادی ہو جائے تو اس کی اولادوں کو دادا، دادی جی بھر کر کھلا لیتے ہیں۔"

بیگم نے بڑے زور سے ٹھنڈی سانس کھینچی اور اٹھ گئیں۔

بس! اتنا ہی کافی تھا وکیل صاحب کیلئے۔

دوسرے روز وکیل صاحب نے گرج کر فیصلہ سنا دیا۔

"بیگم ہم سوچتے ہیں آصف کی شادی ہو جانا چاہیئے۔"

بیگم نے ان کی عادت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوف دلانے والے لہجے میں کہا۔

"جی وہ تو ٹھیک ہے مگر پہلے آصفہ کی شادی ...."

اور بھی زیادہ گرج کے ساتھ وکیل صاحب نے کہا۔

"آصفہ کی بھی ہو جائیگی۔ آصف کی دلہن ہوئی تو نہیں ہوگی کہ آصفہ کو دل کھول کر بھاوج کے ساتھ رہنے نہ دیا جائے!"

www.taemeernews.com

لڈو پھوٹنے لگے بیگم کے دل میں —— اسی روز سے لڑکی کی تلاش شروع ہوگئی۔ وکیل صاحب لڑکیوں کے فوٹو دیکھتے رہے رد کرتے رہے۔ خاندان میں نظر دوڑائی اور پھر آخر اپنے ایک دوست کی لڑکی ان کو بحیثیت بہو کے پسند آگئی۔ خوبصورت، تعلیم یافتہ، مہذب، سلیقہ مند خوش مزاج اور کیا چاہیئے تھا۔ انھوں نے آصف سے پوچھنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی۔

اور آصف! اور خالدہ!

اُف! دونوں کے معصوم خواب اس بری طرح چکنا چور ہوئے کہ کرچیں بھی نہیں سمیٹی جا سکتی تھیں۔ جس روز وکیل صاحب نے رشتے کا خط لکھا اس روز رہی سہی امید بھی ختم ہوگئی اور کم سخن، صابر، خوددار خالدہ پر اتنا اثر ہوا کہ اپنا صبر ضبط کھو بیٹھی۔ آصف کے کمرے میں چھپ کر اتنا روئی کہ آنکھیں سوج گئیں۔ اس کا دل لہو لہو ہو کر بہا جا رہا تھا۔ وہ آصف کی بے بسی بھی سمجھتی تھی اس کو بے وفا کیسے ٹھہراتی

اور جب وہ آصف کی بڑی سی تصویر کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر سسک سسک کر رو رہی تھی تب اچانک وکیل صاحب نے کمرے میں قدم رکھا۔ وہ کبھی آصف کی موجودگی میں اس کے کمرے میں نہیں آتے تھے، اس وقت بھی کمرہ اکیلا سمجھ کر رشتے کے خط کے لئے لفافہ لینے کمرے میں آ گئے تھے اور وہاں خالدہ کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے تھے۔

خالدہ نے ان کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے ان سیاہ بالوں کے درمیان اس کا معصوم و مغموم چہرہ ڈوبتے ہوئے سورج کی طرح بڑی ہی سوگواری سے چمک رہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور آصف کی تصویر پر اس کے ہاتھ لرز رہے تھے

لوگ کہتے تھے کہ وکیل صاحب کے چٹان سے سینے میں پتھر سا دل تھا اور پتھر موم ہوتا ہے تو آنسوؤں سے۔

www.taemeernews.com

بیگم نے چونک کر پوچھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ!"

وکیل صاحب زندگی میں پہلی بار زور سے ہنسے۔ اور خالدہ کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ کر شہد سے بھی شیریں لہجے میں بولے۔

"یعنی اپنے گھر میں ایک تراشیدہ ہیرا ہوتے ہوئے بھی ہم دوسروں کی تجوریاں جھانک رہے تھے۔ لاحول ولاقوۃ بھلا اس سے بڑھ کر کوئی حماقت ہوگی!"

بیگم کو حیران پریشان دیکھ کر وہ بولے۔

"میں نے کہا تھا نا لاکھوں میں ایک ہوگی میری بہو"

بیگم پھر بھی نہ بولیں تو حسب عادت گرج اٹھے۔

"کیوں؟ کوئی اختلاف ہے تمہیں؟"

"نہیں نہیں" بیگم بھی بہت بڑی سیاستدان تھیں لپک کر خالدہ کو سینے سے لگا لیا پھر مسکرائیں اور کہہ گزریں ——

"مجھے تو چٹان کے موم ہو جانے پر حیرت ہے!"

اور آصف جو چھپ کر یہ سب دیکھ اور سن رہا تھا اس کا جی بے اختیار چاہا بچوں کی طرح زور کی قلقاری مارے اور اپنے چٹان سے نازک ابا میاں کے گلے میں لٹک جائے۔

www.taemeernews.com

افسانہ

"لہو پکارے گا۔۔۔۔"

"انسپکٹر صاحب!"
آپ دو گھنٹے سے سوالات کر کر کے میرا دماغ، میرے کان اور میرا دل سب کچھ ہی بیکار کئے دے رہے ہیں۔ میں صدمے سے یوں ہی ٹوٹی ہوئی ہوں۔ میرا دل ویسے ہی خون کے آنسو رو رہا ہے ــــ آپ ایک دل شکستہ، لٹی ہوئی بے والی وارث عورت کو اس سنگدلی سے پریشان کر رہے ہیں کہ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔
آپ پوچھتے ہیں کیا واقعی آپ کو اپنے شوہر کی موت کا صدمہ ہے؟؟؟
حد ہو گئی جناب۔ میرا گھر لٹ گیا۔ میرے بچے یتیم ہو گئے، میرا سہاگ اجڑ گیا اور مجھے صدمہ نہ ہو؟
آپ کہتے ہیں مجھے اس بات پر شک ہے کہ مسٹر ابرار نے خودکشی کی ہے؟
کون سا نکتہ نکالا ہے آپ نے؟ کس بناء پر آپ نے یہ کہا؟ شک بھی ہے آپ کو تو کس پر؟ میرے اوپر؟ میں جو اپنے شوہر کو دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی۔ اسکی تمام غلطیوں اور خامیوں کے باوجود اس کی پوجا کرتی تھی۔ وہ رات کو کبھی ۲ بجے کبھی ۳ بجے اور کبھی کبھی تو پو پھٹنے تک آتا تھا۔ جی ہاں گھر واپس آتا تھا......
اور انسپکٹر صاحب میں بغیر کھانا کھائے اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ بھوک سے میری آنتیں

www.taemeernews.com

اینٹھا کرتی تھیں لیکن اس کے بغیر ایک لقمہ کھانا بھی میرے لئے زہر کھانے کے برابر تھا وہ شراب پیتا تھا۔ دوسری عورتوں سے دلچسپی لیتا تھا اس کو نہ میری پرواہ تھی نہ میرے بچوں کی۔ آپ نے دیکھا انسپکٹر صاحب! میرے دونوں بچے کتنے پیارے ہیں۔ گلاب کے پھول ہیں۔ میں نے اپنے بچوں کو پھول ہی کی طرح رکھا ہے، اور میں نے ان کو اچھا کھلانے اچھا پہنانے، اونچی تعلیم دینے کے لئے ہی فیملی پلاننگ کو اپنایا تھا۔ آپ ہی بتائیے اگر میں بچوں کی فوج تیار کر لیتی تو میرا، گھر کا ان بچوں کا کیا حال ہوتا..... کیا کہا؟ میں غیر ضروری باتیں کرنے لگی ہوں؟ مجھے اپنے شوہر کا غم نہیں ہے ——!

انسپکٹر صاحب میں اپنے غم کو بہلانے کے لئے ہی یہ غیر ضروری باتیں کرنے لگی ہوں۔ میں نے اپنے بچوں کو بھی نہیں بتایا کہ ان کے پاپا اس جگہ چلے گئے ہیں جہاں جا کر کوئی بھی واپس نہیں آتا ہے —— میں نے ٹھیک ہی کیا ہے ان ننھے ننھے دماغوں کو اس غم کے لئے دھیرے دھیرے تیار کروں گی اور سچ پوچھئے تو انسپکٹر صاحب کہ یہ بچے ہفتوں تک اپنے باپ کو دیکھ نہیں پاتے تھے..... جی ہاں سچ کہہ رہی ہوں میں۔ ہفتوں نہیں دیکھ پاتے تھے۔ اس کو آپ نام ہی کا باپ کہہ سکتے ہیں اسے کچھ فکر نہیں تھی۔ بچے کیسے رہتے ہیں کیا کھاتے ہیں کس طرح ان کے اسکول کی فیس جاتی ہے کیسے ان کے کپڑے بنتے ہیں.....!"

جی ہاں بچوں کے لئے باپ کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ کبھی ملاقات ہو بھی تو گال تھپک دیتا۔ ہلو مائی ڈیر۔ چیلڈرن! اور بس اس سے آگے نہ بڑھتا۔ حد تو یہ کہ پیار بھی نہ کرتا اپنے ان پھولوں کو جیسے کوئی بے درد لاپرواہ مالی۔ پودوں کو لگائے تو مگر لگا کر نہ ان میں پانی دے نہ دیکھ ریکھ کرے اور ان میں پھول کھلیں تو کبھی کبھار ایک نگاہِ غلط انداز ڈال کر کہے واہ! کیا اچھے پھول ہیں۔ صبح جب بچے جاگتے تو پاپا کا کمرہ بند ہوتا۔ میں انھیں بتاتی۔

www.taemeernews.com

"بچّوں۔ پاپا سو رہے ہیں"

ناشتہ کر کے اور اسکول کے لئے تیار ہو کے وہ دونوں چلے جاتے ہیں گھر کا کام نپٹا کر آفس چلی جاتی۔ جی ہاں۔ آفس! میں بھی نوکری کرتی ہوں۔ کیوں؟ جب کہ میرا شوہر خود بھی ایک اونچی پوسٹ پر ہے! ہے نہیں تھا۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی ..... اب کیا بتاؤں انسپکٹر صاحب! بتانا ہوگا؟ اچھا تو سنئے وہ بلا کا عیّاش تھا۔ غضب کا شرابی تھا اپنی ساری تنخواہ اپنی رنگ رلیوں پر اڑا دیتا تھا۔ اب تو بے حد مقروض ہو گیا تھا پہلے موٹر سائکل بکی۔ پھر فرج بکا۔ پھر ریڈیو گرام ..... اور پھر ٹی وی۔ میرے بچے بہت روئے جب ٹی وی بکا تھا مگر ان کے باپ کا دل ذرا نہ پسیجا تھا اس نے کہا تھا۔

"اپنی ماں سے کہو! اپنی گرہ سے لا دے!"

ہاں جناب میرا دل زخمی ہے لہو ٹپک رہا ہے ..... آنکھوں سے لہو اس کی موت کے لئے بہہ رہا ہے اور دل سے لہو اس کے لگائے ہوئے زخموں سے بہہ رہا ہے یہ چھوٹا موٹا فرنیچر جو دیکھ رہے ہیں آپ یہ سب میری کمائی کا ہے۔ جی ہاں۔ وہ اس حد تک ہم سے لاتعلق ہو گیا تھا اس گھر سے لاتعلق ہو گیا تھا کہ اب کھانا بھی باہر کھانے لگا تھا۔ بس صبح کی دو پیالی چائے وہ مزے سے گھر میں پیتا تھا میں اس کے لئے چائے بنا کر تھرماس میں رکھ جاتی تھی، وہ کب اٹھتا، کب نہاتا، کب تیار ہوتا، گھر سے کب جاتا مجھے کچھ خبر نہیں۔ میں واپس آتی تو برتن دھونے والی بوا گھر کی چابی میرے حوالے کر دیتی۔ وہ جاتے وقت چابی برتن دھونے والی کو دے جاتا تھا۔ رات میں وہی، دو تین بجے واپس آتا (اگر کبھی واپس آتا تو) نشے میں دھت۔ اپنے آپ ہی سے نہیں دنیا سے بے خبر ——! کھانا کیا کھاتا۔ جو باہر سے ہی سیر ہو کر آیا ہو انسپکٹر صاحب! اس کو گھر کا کھانا کھانے کی حاجت کب ہوتی ہے

www.taemeernews.com

ایں ؟ کیا کہا آپنے ۔ کہیں ناکام گھریلو زندگی سے تلخ ازدواجی زندگی سے گھبراکر ..... زبان کو لگام دیجئے جناب ۔ زندگی ناکام تھی تلخ تھی — میرا اور اس کا جسمانی اور ذہنی تعلق بھی نہیں رہ گیا تھا۔ پھر بھی وہ ! میرے بچوں کا باپ تھا۔ میرا شوہر تھا۔ میں نے اپنا کنوارپن اس کے حوالے کیا تھا۔ شادی کے مقدس بندھن میں جکڑے ہوئے تھے ہم اور پھر یہ کہ بھرم بنا تھا۔ ہمارے خاندان میں طلاق کے نام کو گالی سمجھا جاتا ہے۔ زندگی چاہے جیسی گزرے — بیوی مرجائے وہ بہتر اب چاہے جل جل کر ٹی بی سے مرے یا خودکشی کرلے لیکن طلاق ..... نہیں طلاق کا نام بھی زبان پر نہ لائے — ! قتل ؟ کیا کہا قتل ؟ — قتل بھی کیا جاسکتا ہے ! دیکھئے آپ گھما پھرا کر وہی بات لا رہے ہیں۔ میں نے بتایا نا۔ وہ کافی مقروض ہوگیا تھا۔ دماغی طور پر وہ بے حد پریشان رہا کرتا تھا۔ اس کی محبوبہ نے اس سے بے وفائی کی تھی۔ اس کا بھی اس کو بہت صدمہ تھا اور اب آپ سے کیا چھپاؤں کچھ سرکاری روپیہ بھی اس نے خرد برد کیا تھا اس کا بوجھ بھی اس کے ضمیر تھا۔ نہیں یہ میں غلط کہہ گئی۔ ضمیر لفظ اس کے لئے استعمال کرنا ضمیر کی توہین ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس ضمیر ہوتا کب ہے ..... اس کے اوپر سرکاری روپے کے خرد برد کا بوجھ بھی تھا۔ یہ کیس ! آہ انسپکٹر صاحب کہتے ہوئے کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ یہ کیس صاف صاف خودکشی کا ہے — ! اس کے کمرے میں چلوں — اُف نہیں نہیں ! میں اس کمرے میں نہیں جاسکتی انسپکٹر صاحب میں وہ کمرہ دیکھ نہیں سکتی ۔ آہ ! اس کمرے میں میں نے ..... میں نے نہیں ! ہم دونوں نے — شبِ عروسی گزاری تھی۔ پھر اتنی ہی حسین اَن گنت راتیں ! جب سے ہم دونوں کے درمیان فاصلے بڑھے خلیجیں حائل ہوئیں۔ میں نے اس کمرے میں سونا چھوڑ دیا تھا۔ الگ کمروں میں بچوں کے ساتھ سونے لگی تھی۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا میں نے

www.taemeernews.com

اس کمرے میں کوئی سال بھر سے قدم نہیں رکھا۔ صفائی وغیرہ برتن والی بوا کرتی تھی
بس کل رات میں اس کمرے میں .... اوہ یہ میں کیا کہہ رہی ہوں ——!
جی! بتادوں آپ کو؟ سن لیا آپ نے؟ ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب —
آپ اپنے دام میں صیاد آگیا" ——— اب آپ کا شبہ یقین میں ڈھل
جائیگا۔ مگر میں! اللہ جانتا ہے میں بے گناہ ہوں۔ انسپکٹر صاحب! میں اگر
چاہتی بھی تو اس کا خون نہیں کر سکتی تھی۔ کیوں؟ اس لئے کہ میں اپنے معصوم
بچوں کے لئے جینا چاہتی ہوں — میرے بعد ان کا کوئی سہارا نہیں رہ جائے گا۔
میرے مائیکے اور سسرال میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کا سرپرست ہو۔ پہلے ہی باپ
کے پیار سے محروم تھے اب کیا میں اُن کو ماں کے پیار سے بھی محروم کر دیتی ——! نہیں نہیں
میرے سامنے اپنے بچوں کا مستقبل ہے۔ وہ مستقبل جو بے حد روشن ہے میں اسکو
اندھیرا کیسے کر سکتی ہوں۔ آپ خود سوچئے! پھر وہی بات؟ میں اس کمرے میں
کیوں گئی تھی وہ آپ کو بتانا ہی پڑے گی۔ رات وہ خلافِ معمول گھر میں ۱۱ بجے
آگیا۔ ہاں انسپکٹر صاحب کتنے حیرت کی بات ہے ۲ برس میں وہ پہلی رات تھی جب وہ
۱۱ بجے گھر آگیا تھا ——! دوسری حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس نے دونوں بچوں کو
جی بھر بھر کے پیار کیا —— ان سے دیر تک باتیں کیں پھر مجھ سے کہا۔

"شوبی! کھانا لاؤ!"

آہ اس وقت کی حیرت و مسرت نہ پوچھئے۔ میں نے سوچا اگر صبح کا بھولا شام کو
گھر آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ میں اپنی خفگی، اپنی اکڑ، اپنی سرد مہری، اپنی
محرومی .... سب بھول گئی۔ جلدی جلدی کھانا گرم کیا اس نے اپنے کمرے سے
جھانک کر کہا

"شوبی! یہاں کمرے میں ہی آجاؤ۔ دونوں ساتھ کھائیں گے"

www.taemeernews.com

اُف! اس کمرے میں آکر مجھے کیا محسوس ہوا بتا نہیں سکتی۔ ہم نے کھانا کھایا اس کی فرمائش پر میں نے چائے بنائی۔ مزے مزے سے پی گئی۔ پھر جب، میں اپنے کمرے میں آنے لگی تو اس نے بڑے پیار سے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

"شوبی! آج اس کمرے میں سو جاؤ!"

میں ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس کے مضبوط بازوؤں میں آگری۔ آہ انسپکٹر صاحب بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر!"

اور ہم دونوں دو برس کی سرد جنگ کے بعد اس گرم جوشی سے یکجا ہوئے تھے مانو پہلی بار مل رہے ہوں۔ مجھے ایسا لگا وہ سہاگ رات جو میں منا چکی تھی اس رات سے کہیں بڑھ کر یہ رات ــــ حسین تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا تھا پھر... اُف! کاش میں مر جاتی میں بہری ہو جاتی اس نے ایک ایسی بات مجھ سے کہی کہ کیا؟ وہ بات مجھے بتانا پڑے گی؟ اپنی صفائی کے لئے؟ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے؟ اچھا! بتاتی ہوں انسپکٹر صاحب! بتانا ہی پڑے گا۔ پہلے اس نے میری تعریف کی! میرے ایک ایک انگ کی تعریف کی!!! میں!!!

جھوم جھوم گئی! اس کے لبوں سے وہ حسین الفاظ پھولوں کی طرح گر رہے تھے اور میں آنچل بھر بھر کر بٹور رہی تھی۔ انسپکٹر صاحب! تعریف! عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہے میں اس سے یہ بھی تو نہ کہہ سکی ــــ! میرا یہ حسن۔ یہ خوبصورت پرکشش جسم، آنکھوں کے یہ میخانے، رخساروں کے یہ سرخ گلاب اتنے دن تک اس کی نظروں میں بیکار اور ناکارہ کیوں پڑے رہے۔ مگر میں کچھ کہہ نہ سکی۔ میرے اندر کی ترسی ہوئی عورت اپنے شوہر کے ریاکارانہ الفاظ سے اپنی پیاس بجھاتی رہی۔ اس نے آخر میں کہا ــــ "تم آج بھی اتنی ہی حسین اور پرکشش ہو شوبی تم! آج بھی اتنی ہی تر و تازہ نظر آتی ہو، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم دو بچوں کی ماں ہو اور وہ بھی

www.taemeernews.com

اچھے خاصے سمجھدار بچوں کی! پھر اس نے کہا۔ شوبی۔ تم آج بھی کسی مرد کو دیوانہ بنا سکتی ہو۔ پھر اس نے کہا۔ میرے اوپر بہت قرض ہو گیا ہے۔ سرکاری روپیہ خرد برد کرنے کا الزام بھی عائد ہو چکا ہے اور میں بال بال قرض سے بندھ گیا ہوں۔ مجھے کسی وقت بھی جیل کے پیٹ میں جھونکا جا سکتا ہے کوئی مجھے بچا نہیں سکتا لیکن تم..... صرف تم..... ! شوبی مجھے بچا سکتی ہو۔ تمہارا یہ پرکشش جسم بچا سکتا ہے..... تمہارا یہ حسن بچا سکتا ہے....."

میں پھر بھی کچھ سمجھ نہیں سکی اس کا منہ تکتی رہی۔ تب اس نے مجھ سے صاف صاف کہا۔ کیا کہا؟ آہ نہ پوچھئے کاش کہ زمین پھٹتی اور میں سما جاتی، کاش کہ بجلی گرتی اور میں بھسم ہو جاتی۔ اس کے! یعنی اپنے مجازی خدا کے، اپنے سرتاج کے اپنے محافظ کے یہ الفاظ نہ سنتی۔ اس کا کہنا تھا۔ انسپکٹر صاحب! میں اپنے جسم اور حسن کے سہارے روپیہ حاصل کروں اور اس کا قرض ادا کرنے میں اس کی مددگار بنوں — جی! یہ منصوبہ تھا اس کا وہ میرا سودا بھی کر آیا تھا۔ ایک بہت بڑے سیٹھ کے ہاتھوں اور مجھے بنا سنوار کر اپنے ہمراہ لے جانا چاہتا تھا..... پھر وہی بات؟؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ! میں نے..... میں نے غصے سے بے قابو ہو کر کسی بھاری چیز سے اس پر حملہ کر دیا اور کاری چوٹ کی وجہ سے وہ..... یعنی میں نے اس کا خون کر دیا..... نہیں نہیں! خدا کی قسم نہیں۔ میں پہلے تو بھونچکا ہو کر اس کا منہ تکنے لگی۔ پھر چلا چلا کر رونے لگی..... یہ جو میرا بیٹا ہے راجو... دیکھنے میں کتنا معصوم! کتنا معصوم کتنا بھولا۔ مگر بڑا ہی سمجھدار ہے۔ جانے کس لئے اور کیوں وہ اٹھا تھا اور مجھے اپنے پاپا کے کمرے میں دیکھ کر حیران حیران سا اندر چلا آیا تھا — ہم دونوں اس کو دیکھ نہیں سکے تھے کیوں کہ وہ دروازے کے پردے کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اچانک وہ پردے سے باہر آیا۔ غصے اور نفرت کی

www.taemeernews.com

آگ سے اس کا پھول سا چہرہ سلگ رہا تھا اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی مٹھیاں بندھیں وہ اپنے آبدار دانتوں اپنا نچلا لب جکڑے ہوئے تھا۔

اس نے چلّا کر کہا۔

"پاپا۔ تم خود برے آدمی بن گئے اب میری ممّی کو برا بنانا چاہتے ہو!"

میرے شوہر نے غضبناک ہو کر کہا۔

"دفع ہو جا یہاں سے!"

میرا راجو۔ ابر سس کے نیچے سے اچانک جواں مرد بن گیا ایک چھتنار مضبوط درخت جو میرے کمزور وجود پر چھا گیا تھا ہر سرد کو گرم سے بچانے کے لئے اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا ——! "میں ممّی کو لے کے جاؤں گا"

اس کے پاپا نے اس کو دھکّا دیا اور میرا دوسرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

راجو نے گرج کر کہا۔

"میں اپنی ماں کو بُری عورت نہیں بننے دوں گا کبھی نہیں!"

اس نے میز کے اوپر سے پیتل کا وزنی گلدان اٹھایا اور اس کو کھینچ کر مارا۔ حملہ اچانک تھا۔ شدید تھا پوری طاقت سے وہ گلدان موت کا دان بن کر آیا۔ اور اس کے سر کو شگافتہ کر دیا..... وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور چند منٹ کے بعد..... آہ..... اُف! میں یہ کیا کہہ گئی۔ انسپکٹر صاحب آپ نے میرا دل و دماغ تو بیکار ہی کر دیا تھا زبان بھی بیکار کر دی۔ نہیں! نہیں۔ میرا راجو! میرا بچہ! بے قصور ہے —— بے گناہ ہے۔ آہ..... میں نے یہ کیا کہہ دیا ——!

میں اب چپ رہوں گی۔ بالکل چپ رہوں گی ——!

پانی..... دو گھونٹ پانی ——!

www.taemeernews.com

افسانہ

"گر تو بُرا نہ مانے"

شہاب آرام کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا اور صالحہ بڑے سے پلاسٹک کے نیلے ٹب میں ڈھیر سارے کپڑے صابن کے جھاگ میں بھگو رہی تھی۔
پتلی، دُبلی، گوری بلا کی پھرتیلی صالحہ جس تیزی سے کپڑے مل مل کر پانی کی بھری بالٹی میں ڈال رہی تھی اسی تیزی سے اس کی زبان چل رہی تھی۔ بار بار سر گھما کر شوہر کو بھی دیکھ لیتی اور ہر بار اس کو اخبار سے الجھے دیکھ کر اس کا پارہ اور اونچا ہو جاتا ——

"ہر وقت اخبار۔ ہر وقت اخبار۔ عاجز آگئی ہوں میں۔ یہ کمبخت اخبار نہ ہوا میری سوت ہو گیا —— ارے میں جو بک رہی ہوں سن رہے ہو تم؟ اف فوہ اب تو میری بات کا جواب نہیں ملتا گویا۔

جوابِ جاہلاں باشد خموشی! میں پاگل ہوں کہ بک رہی ہوں۔ اور ان کے کان پہ جوں نہیں رینگتی، سنا تم نے؟ ڈبّو کا گرائپ واٹر ختم ہو گیا اور میرا ٹانک بھی کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اے۔ ہے، مجھے خود اپنا خیال نہیں رہتا بے وقوف جو ہوں اور دوسری عورتوں کو دیکھو چھینک بھی آجاتی ہے تو میاں کے ناک میں دم کر دیتی ہیں۔ دے ڈاکٹر دے دوا —— ارے وہ رہتی بھی مزے میں ہیں۔ ایک میں بدنصیب ہوں کہ دن بھر کولھو کا بیل بنی رہتی ہوں۔ جلے پاؤں کی بلّی کی طرح گھومتی ہوں پھر بھی کوئی صلہ نہیں ملتا۔

www.taemeernews.com

نہ میاں کا منہ سیدھا نہ بچے بس میں۔ اُف فوہ! کمر ٹوٹ کے رہ جاتی ہے۔ روز اتنی اتنی لادی پچھاڑ کے۔ میں کہتی ہوں اور گھروں میں کیسے کام چلتا ہے۔ اللہ کی قسم! ہفتوں الگنی پر کپڑے سوکھتے نہیں دیکھتی۔ اور میں ہوں کہ روز چالیس، پچاس کپڑے دھوتی ہوں ـــــ تم الگ دوسرے روز قمیص، پتلون، موزے، بنیائن اور انڈرویر میرے سر پر دے مارتے ہو۔ بچے الگ نیکر، بش شرٹ، موزے، فراک اور چڈھیاں پہاڑ کی صورت میں رکھ دیتے ہیں۔ پھر میری ساڑھی، پیٹی کوٹ اور بلاؤز اے ہے اس سے تو وہی لوگ اچھے جو ہفتہ بھر بعد نہاتے ہیں اور کپڑے بدلتے ہیں مگر میں خود ہی بے وقوف ہوں۔ صفائی میں اپنا ہی صفایا کئے دے رہی ہوں ـــــ!

اللہ کیا گاڑھی بھر ڈیل دول لیکر آئی تھی میکے سے اور اب ہڈیوں پر کھال منڈھی رہ گئی ہے ـــــ! میں کہتی ہوں خوش نصیب تو میری بھابھی ہیں اللہ قسم ہل کر جو پانی پیتی ہوں۔ ایک آدمی کھانا پکائے۔ برتن صاف کرنے والی عورت کپڑے لتے بھی دھوتی ہے۔ چپراسی جھاڑو پوچھا لگائے کپڑوں پر پریس کرے اور وہ بنی سنوری بس میاں کے بغل میں بیٹھی یا تو بیٹھی بیٹھی باتیں کرتی ہیں یا تفریح کرنے نکل جاتی ہیں۔ ایک میں ہوں کام۔ کام۔ ہر وقت کام۔ کیا مجال جو دوپہر کو بھی آرام مل جائے بچے وہ اودھم مچاتے ہیں کہ توبہ بھلی۔ عاجز آگئی ہوں میں تو۔ تم اپنے مزے میں ہو نہائے دھوئے کھایا پیا کپڑے لتے پہنے، سینٹ چھڑکا بال سنوارے، آئینے میں پوز بنا بنا کے اپنے آپ کو دیکھا اور ٹاٹا کہہ کے دفتر چل دئے۔ بلا سے کچھ کام کیا تو تفریح بھی کی۔ یار دوستوں کے ساتھ ہوٹل چلے گئے چائے پی گپ ماری۔ ٹھٹھے لگائے چہل قدمی کی۔ دماغ ہلکا ہوا تر و تازہ ہوا کیوں! آنکھیں چوسنیکیں۔ رنگ برنگے نظارے اور حسین چہرے جو دیکھے۔ آہا۔ منہ دیکھو جناب کا! کیسا بن گیا۔ سچی بات کڑوی لگتی ہے نا! اچھا اسی بات پر قسم کھاؤ کہ تم راستے چلتی قیامتوں کو نظر اٹھا کر

www.taemeernews.com

کبھی نہیں دیکھتے۔ ارے یہ دھوپ کا چشمہ جاڑا گرمی برسات اس لئے باہر جاتے وقت چڑھالیا جاتا ہے میں خوب سمجھتی ہوں۔ ایک آڑ ہو جاتی ہے نا! آنکھوں کی چوری پکڑی نہیں جاتی۔ چار بچوں کے باپ اور چھیلا بنے گھومتے ہو —— ! شرم نہیں آتی؟ ارے اسی لئے میں ننگا ہوں میں نہیں جچتی۔ کہاں وہ ہر وقت کی محبت اور تعریفیں اور کہاں اب یہ عالم کہ بات کرنا گناہ۔ ارے میں ہی بے وقوف ہوں۔ چھ مہینے جا کے ابا جی کے پاس بیٹھ جاؤں تو حضرت کے دماغ ٹھکانے آجائیں، ہوٹل کا کھانا کھائیں کپڑے لانڈری میں دھلیں۔ گھر میں اٹھواروں صفائی نہ ہو تب پتہ چلے حضور کو۔ خدا کی قسم۔ مشین بن گئی ہوں میں مشین۔ مشین کو بھی صفائی کرکے تیل دیکر ذرا آرام کرنے دیا جاتا ہے مجھے یہ بھی میسّر نہیں!

یا اللہ! ہاتھ شل ہو گئے۔

اللہ ذرا سا اٹھ جاؤ چھوڑ دیا اخبار معاذ اللہ تلاوت یہ کپڑے الگنی پر پھیلادو۔

اُف نوہ! پھر منھ بنا۔ اللہ کی قسم جی چاہتا ہے یہ سب اٹھا کر پھینک دوں اور اپنا سر پیٹتی کسی طرف نکل جاؤں نہ اپنی صورت تمھیں دکھاؤں نہ تمھاری صورت دیکھوں۔

ارے! حد ہوتی ہے بے مروّتی کی۔ بے مروّتی نہیں ظلم کی۔ جبر کی۔ زبردستی کی —— میں مرتی بھی ہوں گی تو تم دو بوند پانی بھی حلق میں نہ ٹپکاؤ گے۔ بیٹھے ہوئے یہی یہ میرا دشمن اخبار پڑھتے رہوگے۔ دیکھنا کل اخبار والے کو کتّے کی طرح دھتکار کر بھگا نہ دوں تو نام نہیں ———— ! ارے منّی، بے بی، بنّو سب کہاں مرگئیں کمبخت ماریاں ریڈیو سے چپکی بیٹھی ہوں گی۔ اخبار، ریڈیو، سنیما، گیت ارے میں کہتی ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا اِس گھر میں۔ نہ نماز، نہ روزہ نہ اللہ کا نام نہ رسول کا نام۔ سب کو کلمہ سکھایا، دعائیں سکھائیں، دین ایمان کی باتیں بتائیں مگر سب بیکار۔ بھول گئیں سب۔ بس اب رہ گئی ڈمپل، نیتو سنگھ

www.taemeernews.com

اور راجیش کھنّہ کی باتیں اور جانے کس کس کا ذکر مجھے تو نگوڑے نام بھی یاد نہیں رہتے اب بتاؤ۔ ہر وقت وہی گیت گیت، ارے اتنی اتنی سی لڑکیاں اور یہ لچھن —— ہائے کوئی بس میں نہیں رہا۔ لڑکا ہے تو وہ بس۔ کیرم، تاش اور سائیکل کی پریکٹس میں لگا رہتا ہے۔ ارے یہ سب باوا جان کی ڈھیل ہے۔ بچوں کو ذرا جو سمجھائیں ذرا جو ڈانٹیں۔ سارا بار میرے سر پہ۔ ارے ماں کے ساتھ باپ کو بھی تو بچوں کی تربیت میں دلچسپی لینا چاہیئے۔ مگر، نہیں! انھیں اپنی دلچسپیوں سے کب فرصت ہے۔ ایک ذرا یہ دُھلے کپڑے الگنی پر ڈالنے میں شان میں بٹّہ لگتا ہے۔ ابھی جو کوئی دوست آجائے تو دیکھو دوڑ دوڑ کے چائے بھی بنالیں گے۔ پان بھی لگا لئے جائیں گے …… یہ دیکھو، ساری قمیصوں کے بٹن غائب۔ یا اللہ توبہ۔ یا اللہ توبہ! ارے کمبختوں! یہ بٹن تم لوگ کھا لیتے ہو کیا۔ بٹو! او بٹو! چل یہ کپڑے الگنی پر پھیلا۔ کھا کھا کر بھینس ہو رہی ہے کام دھیلے کا نہیں ہوتا ارے کون پوچھے گا اس تن و توش پر آجکل تو دُبلی پتلی نازک وہ کیا کہتے ہیں سلم لڑکیوں کی تلاش ہوتی ہے بھینسوں کو کوئی چارہ بھی نہیں ڈالتا۔ آج تو ذرا ہاتھ بٹالے لڑکی۔ میرا کتنا سارا کام پڑا ہے۔ ناشتہ بنایا تم سب کو کھلایا۔ برتن صاف کئے۔ ڈرائنگ روم کی صفائی کی۔ آج چھٹی ہے نا تمھارے ابا جان کے ملنے والے دہلیز کی دھول لے ڈالیں گے۔ چائے بنوا بنوا کے میرا کچومر نکل جائے گا۔ اب یہ کپڑے دھولوں تو گھر بھر میں جھاڑو لگاؤں لونڈی ماما سے بُری گت ہے۔ اللہ کی قسم۔ ابا جی کے گھر میں کبھی اپنے ہاتھ سے ایک کٹورا بھی نہیں دھویا۔ ہمیشہ برتن دھونے کے لئے بوا لگی رہی۔ جھاڑو کو ہاتھ تک نہیں چھلایا مگر یہاں، تو لگتا ہے جھاڑو کے ساتھ بندھن بندھ گیا ہے اور برتنوں کے ساتھ پھیرے ڈلے ہیں۔

ارے! دنیا زمانے کو نوکر مل جاتے ہیں ان کو نوکر نہیں ملتے ذرا جو ترو،

www.taemeernews.com

آتا ہو میرے اوپر - صرف جھاڑو کے لئے کوئی چھوکرا لگ جائے تو کچھ مجھے آرام ملے۔ اتنا بڑا گھر جھاڑتی ہوں تو اللہ قسم کلیجہ منھ کو آجاتا ہے گھنٹوں پیٹ میں سانس نہیں سماتی ہے۔

صبح سے نوالہ منھ میں گیا ہو تو حرام ہے۔ بلا سانس لئے کام کر رہی ہوں۔ آنتیں جیسے کوئی مسلے ڈال رہا ہے سب کھا چکے، پی چکے کسی کو خیال نہ آیا کہ مجھ کمبخت کو بھی ایک آدھ پراٹھا زبردستی کھلا دیتا۔ ارے میں ہی بے وقوف ہوں اور عورتوں کی طرح پہلے کھا پی لوں پھر دوسروں کا خیال کروں تو ٹھیک رہے ایسی بے پرواہ نہ ہوتی اپنی طرف سے تو یہ حال ہوتا میرا؟

یا اللہ! اب جاکے کپڑوں سے نجات ملی ہے۔ اے ہے ہیں کبھی یہ اخبار کتنی مرتبہ پڑھا جاتا ہے؟ اب تک ختم نہ ہو پایا۔ ضرورت رشتہ کے اشتہار دیکھ رہے ہوگے؟ بھیج دو پیغام! کر لاؤ کوئی حسین مہ جبین۔ یہ حسرت بھی نکل جائے۔ ارے صاحب بہادر۔ ایک ہفتہ میں سر نہ صاف کر دے تو میرا نام نہیں۔ ایک میں ہی بے وقوف ہوں کہ تمہارے ساتھ ایڑیاں رگڑ رہی ہوں۔ نوکروں کی طرح خدمت کر رہی ہوں۔ کوئی دوسری آئے گی تو جناب! خدمت کرے گی نہیں خدمت کرائے گی۔ متّی اندمتّی۔ ارے اب تو انگیٹھی جلا کے دال چڑھا دے۔ دال نکال کے دھوکے، نمک ملا کے پانی ڈال کے پتیلی کو کر میں رکھ دیتا ہے بس خالی بن کر کے انگیٹھی پر چڑھا دینا ہے۔ نہیں اٹھے گی! اسکول کا کام کر رہی ہے! ارے اسکول کے کام کے ساتھ گھرداری بھی ضروری ہوتی ہے خالی پڑھائی سے کام نہیں چلتا اس لئے کہ ہم عورتیں چاہے کمشنر ہو جائیں، چاہے ڈاکٹر! گھر پیچھا نہیں چھوڑے گا میں کہتی ہوں۔ ہمارے لئے اول چولھا اور آخر چولھا، میں تو کہتی ہوں معاذ اللہ منکر نکیر

www.taemeernews.com

قبر میں اللہ رسول کے سوال کے بعد یہ پوچھتے ہوں گے عورتوں سے! چولھا کیسے جلاتی تھی! شوہر کو کھانے کیسے کھلاتی تھی۔ اب دیکھو آج اتوار ہے۔ اور بھی عذاب ہے، آج کا دن۔ چار چار، پانچ پانچ ہانڈیاں پکاؤ چاہے ہلکان ہو جاؤ مگر پکائے بغیر مفر نہیں۔ املی کا پتہ بھی ہو، آم کی چٹنی بھی ہو۔ لیموں کا سلاد بھی ہو ارے نوابی ٹھاٹھ ہیں نوابی۔ لونڈی مفت کی ملی ہے نا۔ چار آدمیوں کا کام میں اکیلی جان کروں اور گھر بھر ٹھاٹ کرے۔

لو۔ دال چڑھادی۔ اب جھاڑو لگاؤں۔ بے بی۔ او بے بی۔ کمبخت دودھ مگ میں رکھ دیا ہے پی لے۔ کام کے بیچ میں روتی بسورتی آئی تو اللہ کی قسم ٹانگیں چیر کر رکھ دوں گی! ارے تم مسکرائے کیوں؟ کیا میں ٹانگیں چیر نہیں سکتی؟۔ اُف فوہ! صورت دیکھو مُردار کی جیسے چڑیل۔ منھ پر چٹی۔ فراک پہ مٹی۔ ارے کہاں سے خاک مل کر آتی ہے۔ بول —— ابھی صبح کو منھ ہاتھ دُھلا فراک بدل دی تھی۔ بال بنا دئے تھے کہ کام کے بیچ مجھے الجھنا نہ پڑے —— مگر مجھے چین کہاں۔ آ دھلاؤں ہاتھ منھ ——!

ارے گُدّو۔ گُدّو کے بچے۔ چھوڑ سائیکل نہیں تو ڈھکیل دوں گی۔ تم بھی ٹوٹ پھوٹوگے اور یہ سائیکل بھی غارت ہوگی۔ لاؤ تو لے آ، اٹھا لا بھگو بھگو کر ڈال دئے کاہلوں نے جیسے میت کے کفن پڑے ہوں تار پر پھیلا دے دھوپ میں سوکھ جائیں نہیں تو بدبو آ جائیگی۔ اور ہاں تیرے پاپا کا شیونگ سیٹ بھی ہے۔ دُھلا پڑا ہے دھو کر پونچھ دے اور میز پر رکھ آ سستی کی انتہا دیکھو۔ اپنا کام بھی نہیں کر پاتے کیا خیال کہ ایک رومال بھی دھولیں۔ شیو کا سامان دھولیں۔ ارے بس چلے تو مجھ سے اپنے دانتوں میں برش بھی کرائیں شیو بھی بنوائیں ——

www.taemeernews.com

جاگدڑو۔ تو لئے سے منہ ہاتھ پونچھ کے تو بھی دودھ پی لے۔ سناتونے او بے بی کی بچی! بہری۔ جھاڑو کہاں گئی۔ یہ دیکھ یہاں لا کے کسی نے سجادی ہے۔ ارے میں کہتی ہوں جیسے باپ ویسے بچے، کاہل، سُست، نکمے، آرام طلب سب کلیجہ کھانے والے ہیں۔ سُکھ پہونچانے والا کوئی نہیں۔ میرے اللہ! یہ کمرہ ہے یا کباڑ خانہ۔ ابھی گھنٹہ بھر ہوا ٹھیک کرکے گئی تھی۔ دشمن ہیں میرے سب کے سب۔ یہ دیکھو یہ کاغذ کے ٹکڑے! اور یہ سگریٹ کے ٹکڑے! لاکھ مرتبہ کہا سگریٹ کے ٹکڑے ایش ٹرے میں ڈالا کرو۔ ارے اب کیا ایش ٹرے بھی صاحب کے پیچھے پیچھے لیکر گھوموں یا ان کے گلے میں لٹکادوں بچولسا کے پنل یا پنیکن کی طرح توبہ۔ توبہ! پھر جھاڑو۔ پھر کوڑا۔ ایسا لگتا ہے جھاڑو کے لئے ہی پیدا ہوئی تھی اور ہاتھ میں جھاڑو لیکر ہی مروں گی میرے ساتھ قبر میں جھاڑو بھی رکھوا دینا سناتم نے؟ فرش ایسا ہے کمبخت مارا کہ گھنٹوں دراڑوں سے کوڑا اور ماچس کی جلی ہوئی تیلیاں نکالا کرو۔ آئے سیمنٹ کا فرش ہو چکنا چکنا سراسر جھاڑو پھسلتی چلی جائے مگر ایسی قسمت کہاں!"

لو سنو۔ صاحب بہادر فرماتے ہیں روز جھاڑو لگانے کی ضرورت کیا ہے تیسرے روز لگایا کرو۔ واہ! واہ! کیا مشورہ دیا ہے حضور نے۔ ارے سب مجھے ہی تھوکیں گے نا! گلے گلے تک کوڑا ہو جائے گا تو کل کو تم ہی مجھے گندگی کا طعنہ سناؤ گے۔ دن بھر گھر میں مجھے رہنا ہوتا ہے تمھیں نہ ہے۔ تمھیں کیا۔ سرائے کی طرح رات گزاری اور چل دیئے۔ ایک دم کوئی ملنے والا آجائے تو اللہ کی قسم کتنی شرمندگی ہو۔ گھر صاف ستھرا ہوتا ہے۔ بچے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ تو کتنا اطمینان رہتا ہے۔ بس میں مری جاتی ہوں اس صفائی سے۔ اللہ نہ کرے کسی

www.taemeernews.com

کو صفائی کا جنون ہے........! اس روز تم بھی تو کہہ رہے تھے ڈاکٹر انصاری کا ڈرائنگ روم کتنا گندا رہتا ہے ایک دن بھی گھر کی صفائی نہ کروں تو نیچے الگ منھ بنائیں تم الگ!

خدا کے لئے! اب اٹھ جاؤ نہا ڈالو۔ تمھاری سستی دیکھ کر میری جان جل جاتی ہے تو تمھیں اب چائے کی طلب ہوگی جماہیاں آرہی ہیں نا میں خوب سمجھتی ہوں۔ اللہ کی قسم صبح سے چھ مرتبہ چائے بنا چکی ہوں۔ اسی سے تو میرا کام اور بڑھ جاتا ہے۔

وہ لوگ اچھے کہ صبح ایک پیالی چائے پی لی اور دن بھر کی فرصت۔ تمھاری صحبت میں میری عادت الگ خراب ہوگئی ہے۔ جب بناتی ہوں نیت ڈانواں ڈول ہوجاتی ہے خود بھی پیتی ہوں اور یہ بے بی۔ ارے یہ تو جیسے عاشق ہے چائے کی۔ یہ سب تمھاری وجہ سے ہے کوئی اچھی عادت نہ ڈالی بچوں کی تم نے!

اُف نوہ! اب جا کے جھاڑو لگی۔ تو بہ کر شل ہوگئی۔ لو ادھر دال بھی ہوگئی چاول چڑھادوں تو ذرا منھ ہاتھ دھو ڈالوں کوئی آجائے تو یہی کہے! یہ چڑیل کہاں سے آگئی۔ ارے اب کی سیر چاول کیسے لائے ہو تم؟ آدھے کنکر آدھے دھان۔ کیا مجال جو کوئی سودا دیکھ بھال کے لاؤ۔ کل دوپہر بھر میں نے چاول بینے ہیں کوئی ایک کلو تو بھوسی نکل گئی۔ لاحول! ذرا صابن دے دے۔ یہ دیکھ ذرا صابن ہے کہ بلائی۔ سب وہیں حمام میں چھوڑ دیتے ہیں۔ صابن دانی کیا مجال اُٹھا کے بریکٹ پر رکھ دیں ارے سب ایک سے ہیں کس کس کا رونا رویا جائے وہی مثل ہے کہ آوے کا آوا ٹیڑھا۔ باپ کی ساری عادتیں ملی ہیں کمبختوں کو۔ اُف فوہ! ابھی روٹی پکانا ہے...... بگھارنا ہے اور ہاں وہ تنا ہی ٹکڑے بھی تو بنانا ہیں۔ بھیّا۔ مر جاوں گی میں تو۔

لاؤ۔ کنگھا دو۔ ذرا کنگھی کرلوں بال ہیں کہ گھونسلہ بنے ہیں۔ چہرہ دیکھو

www.taemeernews.com

جیسے ہلدی مل لی ہو ـــــ سارا خون چوس لیا ان تمہاری چار چونکوں نے۔ جو بچا ہے وہ تم جلا جلا کے خاک کئے دے رہے ہو۔ لب تو، رخسار تھے میرے کہ سرخ ٹماٹر ہوا کرتے تھے۔ تم ہزاروں قصیدے پڑھا کرتے تھے۔ قندھاری انار سرخ گلاب، لالہ کے پھول جانے کیا کیا ـــ:

اللہ! یہی بال تھے، کہ نہر کے نیچے آتے تھے کیسے کیسے شعر پڑھتے تھے تم! گھنگھور گھٹائیں۔ ریشم کے لچھے۔ اور اللہ جانے کیا کیا۔!

اب تو کمبخت چھپکلی کی دم جیسی چٹیا رہ گئی ہے اور یہ دیکھو گلے کی ہڈیاں کیسی ابھر آئی ہیں ـــ تو یہ اخبار نہیں پڑھ چکے گے تم؟ لاؤ مجھے دو ـــ دیکھو تو ـــ تمہارے بال کیسے خشک ہو رہے ہیں۔ رات ایسی نیند آئی کہ تمہارے سر میں تیل ڈالنا بھول گئی۔ تمہاری آنکھیں کیوں لال ہیں؟ جی تو اچھا ہے؟؟ ماتھا دیکھوں گرم تو نہیں ہے؟ اللہ کا شکر ہے میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ تمہاری انگلی بھی دکھتی ہے تو میرا دل سن سے ہو جاتا ہے۔ پھر مسکرائے تم !!!

اچھا سمجھی! کسی کی یاد ستا رہی ہوگی جاگے ہو گے ـــ!

ہا ہا۔ دیکھا کیسی چوری پکڑی۔ اب کیسا کھسیا کر مسکرا رہے ہو۔ اچھا! اِدھر دیکھو۔ میری طرف! کیا اب میں تم کو اچھی نہیں لگتی؟ بولو ـــ اچھی نہیں لگتی میں؟ بولو؟ بولو نا؟

"اچھی لگتی ہو ـــ! مگر اُس وقت جب خاموش رہو!"

www.taemeernews.com

افسانہ

بہو کہتی ہے

بہو کہتی ہے ! ابّا آپ عجیب آدمی ہیں۔
میں سوچتا ہوں واقعی میں عجیب آدمی ہوں۔
حال میں رہتے ہوئے ماضی میں ڈوبا ہوا ہوں کیا کروں یہ ماضی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے۔ میرے گزرے ہوئے دن اور رات میرے حال کا دامن تھامے رہتے ہیں ــــــ نہیں بلکہ گریبان تھامے رہتے ہیں۔

بہو ہنستی ہے۔
ابّا بھی کیسے آدمی ہیں۔ فریج کا پانی انھیں اچھا نہیں لگتا۔ گیس کی پکی روٹی حلق میں پھنستی ہے۔ پریشر کوکر کی دال میں انھیں کوئی مزہ نہیں ملتا، فوم کا بستر ان کو چبھتا ہے، ٹی وی دیکھ کر ان کا دم گھٹتا ہے اور کولر کی ہوا سے انھیں زکام ہو جاتا ہے۔ اف نوہ بھئی کمال ہے۔ اور میں سوچتا ہوں بہو کیا جانے میرے اندر کے اس آدمی کو جو بیتے ہوئے دنوں کی دھندلی روشنی میں جیتا ہے جب بہو گیس کا چولھا کھولتی ہے تو میرا دل دھڑک اٹھتا ہے۔ کہیں نہ نیلی نیلی آگ اس کے آنچل کو نہ لپک لے اور وہ ڈرم جس کو یہ لوگ سلنڈر کہتے ہیں خدا نہ خواستہ پھٹ نہ جائے۔ میرا دل بھی ایک بھرا ہوا گیس کا سلنڈر ہے جس میں یادوں کی گیس بھری ہوئی ہے اور بعض اوقات میرا دل بھی گیس کے سلنڈر کی طرح خطرناک ہو جاتا ہے۔ پھٹنے کے لئے تیار ــــــ:
اچانک، میری آنکھوں کے سامنے مٹّی کے بیے میتے چولھے کی وہ لال لال

www.taemeernews.com

آگ سلگ اٹھتی ہے جس کو میری بیوی بڑے جتن سے پھونک پھونک کر جلاتی تھی اس کا پھول سا چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا اور وہ محبت آمیز غصہ کے ساتھ مجھے دیکھ کر شکوہ کرتی تھی۔ "توبہ ہے! اِتنی گیلی لکڑیاں اٹھا لائے ہو کہ پھونکتے پھونکتے میرا کلیجہ ہونک جاتا ہے اور پھر بھی یہ موا چولھا گت سلگ پاتا۔"

اور میں بڑھ کر اس کو اپنی باہوں کے گھیرے میں لینے کے ساتھ ہی اس کے گالوں کی سرخیاں چرا لیا کرتا تھا۔

بہو:۔ پریشر کوکر کی دال میرے سامنے لاکر رکھتی ہے تو مجھ سے ایک نوالہ بھی ہنسی خوشی کھایا نہیں جاتا ہے۔ ۲۰۔ ۲۵۔ منٹ میں اُبلی ہوئی دال میرے حلق سے نیچے اُترنا مشکل ہو جاتی۔ میرا بے ایمان دل پھر ان گزرے ہوئے لمحوں کو پکارنے لگتا ہے جب میری بی بی دال دھو کر مسالہ ملا کر چولھے پر ہانڈی چڑھاتی تھی اور کھُد بُد کھُد بُد کرتی دال جب اُبل اُبل کر چولھے اور دیگچی کے ارد گرد گرتی تھی تو ایک سوندھی سی مہک سے پورا آنگن بھر جاتا تھا اس دال کو بیچ میں میری بی بی لکڑی کی ڈوئی سے گھوٹتی تھی تو ساتھ ہی اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ذرا سی دال ٹپکا کر نمک چکھتی تھی اور ایسا کرتے ہوئے کبھی اس کے پتلے لب کبھی گلابی زبان جل جاتی تھی تو وہ سی سی کر کے رہ جاتی تھی اور مجھے اس کی اس ادا پر بڑا پیار آتا تھا۔ بہو، جب ننھے سے توے پر پکاتی ہوئی ہتھیلی بھر کی روٹی میرے سامنے رکھتی ہے تو اس کا ہر نوالہ میرے منھ میں ربڑ بن جاتا ہے۔ چاہے نہیں چہتا میرا ماضی مجھے گھسیٹ کے اس جھوٹے سے باورچی خانہ میں لیجاتا ہے جسے میری بی بی کے ہاتھ چندن بنائے رکھتے تھے: —— میں دیکھتا ہوں بھاری جہازی توا لیپٹیں دیتے چولھے پہ چڑھا ہے اور میری بیوی یہ بڑی بڑی ملائم مہین اور گرما گرم چپاتیاں لپ جھپ اتار رہی ہے۔ روٹیاں کیا ہیں مکھن کے ڈلے ہیں منھ میں

www.taemeernews.com

رکھو۔ اور حلق کے نیچے : بہو میرے بیٹے سے سرگوشیوں میں بتاتی ہے۔

"سنو جی! اپنے ابا کو ذرا تمیز سکھاؤ۔ خدا کی قسم مجھے شرم آتی ہے جب وہ گنواروں کی طرح ڈائننگ ٹیبل کے سامنے کرسی پر دونوں پاؤں چڑھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور چمچ کے بجائے ہاتھ سے ڈونگے میں گلی گلی نرم بوٹیاں تلاش کرنے لگتے ہیں۔ توبہ توبہ مجھے گھن آنے لگتی ہے میں سالن کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ کھانے کے بعد ڈیڈی کے سامنے الٹ دیتی ہوں " میرا بیٹا گھبرا کر کنکھیوں سے مجھے دیکھتا ہے تو میں بہ ظاہر کرتا ہوں یہ سرگوشیاں میری سمجھ سے باہر ہیں۔

اف :- کہاں گئے وہ دن جب پیڑھے پر بیٹھے باورچی خانہ میں رنگین پایوں والی پیڑھی کے اوپر آگ کے سامنے میں بیٹھ جایا کرتا تھا اور میری بیوی بڑی سی پلیٹ میں اصلی گھی میں لہسن اور مرچ کو لال کر کے بگھاری ہوئی سوندھی سوندھی گھٹی گھٹی ملائی سی ارہر کی دال میرے سامنے رکھ کر گرم گرم چپاتیاں مجھے کھلاتی جاتی تھی۔ کبھی کبھی اپنی سوندی ہوئی چکنی انگلیوں میں دال اور سرے دھنیے کی چٹنی سے تر نوالہ لے کر میں بیوی کی طرف بڑھاتا تھا اور وہ ہنس کر، شرما کر چپکے چپکے چڑھ کر منہ کھول دیا کرتی تھی۔ کیسے بھولوں ان دنوں کو۔

جب بزرگوں کے سامنے ہم میاں بیوی اشاروں میں بات کرتے تھے۔ میری آہٹ سنتے ہی میری بیوی یہ بڑا گھونگھٹ اپنے پھول سے چہرے پر گرا لیا کرتی تھی اور میں اماں سے باتیں کرتے کرتے گھونگھٹ سے چھپتے اس کے سنہرے رنگ و روپ سے آنکھیں سینکا کرتا تھا۔ یوں جیسے وہ میری بیوی نہ ہو میری محبوبہ ہو۔

اور آج ! میری بہو میرے بیٹے کے بازو میں بازو ڈال کر باہر نکلتے ہوئے لاپروائی سے مجھ سے کہتی ہے۔

" ابا۔ ہم باہر جا رہے ہیں ذرا گھر کا خیال رکھیے گا " وہ دونوں

www.taemeernews.com

چلے جاتے ہیں اور میں سجے سنورے لق و دق گھر میں کسی بھوت کی طرح چکراتا پھرتا ہوں۔ رات گئے!

دونوں ہنستے، چہکتے واپس آتے ہیں میں اپنے کمرے سے کھنکار کر اپنے جگنے کا اعلان کرتا ہوں لیکن ان کے رکتے نہیں نہ نیچے ہوتے ہیں اور میرا بیٹا میری خیریت پوچھنے کے بجائے پالتو کتے کی طرح بھوکے پیچھے چلا جاتا ہے۔

تب مجھے، میرا ماضی پھر آواز دیتا ہے اور میں گزری ہوئی ساعتوں میں پناہ ڈھونڈھنے لگتا ہوں

ہائے! وہ رنگین شب و روز ——!

وہ میری بیوی کا، رات گئے ..... دھیرے دھیرے میرے کمرے میں آنا۔ چوڑیاں کھن کھناتیں تو ہم دونوں ہی چور بن جاتے۔ پائل بجتی تو میری بیوی گھبرا جاتی اور اگر کہیں بھولے بھٹکے ابا کھانس یا کھنکار دیتے یا اماں خواب میں کچھ بڑبڑاتیں تو ہماری جان آدھی نکل جاتی ——!

اس چوری میں بھی کتنا لطف تھا۔ اس ملاپ میں کیسا حسن تھا! صبح میں سوتا ہی رہتا اور میری بیوی چپکے سے اس وقت باہر نکل جاتی۔ جبکہ سب سوتے ہی رہتے اور وہ میری چھوٹی بہن کے بستر میں گھس کر لیٹ جایا کرتی۔ اماں آواز دیتیں تو وہ بہن کے پاس سے یوں برآمد ہوتی گویا ساری رات اس نے اسی بستر پر گذاری ہو۔

اماں ابا کے انتقال کے بعد ہم آزاد ضرور ہوئے لیکن اب، بچوں کا لحاظ دامن تھامے رہتا۔ میری بیوی بے حد شرمیلی تھی۔ بچوں کے ساتھ خوب ہنستی بولتی لیکن ان کے سامنے مجھ سے ہنس کر بات کرتے ہوئے شرماتی۔

"ہائے! بچے کیا کہیں گے!" وہ سرگوشیوں میں مجھے تنبیہہ کرتی تھی۔

www.taemeernews.com

اب دیکھتا ہوں کہ میرے پوتے پوتی کے سامنے بہو بیٹے آپس میں جُھلیں کیا کرتے ہیں۔ روٹھتے ہیں، جھگڑتے ہیں منتے ہیں، تب بچے تالیاں بجاتے ہیں اور میں سوچتا ہوں کہاں گیا میرا زمانہ !!!

میں بہت بے چین ہوتے ہوئے بھی اپنے بیٹے سے کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں میری بہو میرے بیٹے سے ہی نہیں اس کے دوست احباب سے بڑی آزادی اور بے تکلفی سے ملتی ہے۔ ڈرائنگ روم میں قہقہے اچھلتے ہیں، پیالیاں کھنکتی ہیں ٹیپ ریکارڈر بجتا ہے اور میری بہو باری باری ایک ایک دوست کے ساتھ ڈانس کرتی ہے۔ اس کا چھوٹا سا ریشمی آنچل اس کے کندھے پر سنبھل نہیں پاتا اور جب آنچل سرکتا ہے تو اس کے کندھے بغیر آستین کے بلاؤز سے دھوپ کی طرح چمک چمک کر میری شرم و غیرت پر شدید وار کرتے ہیں۔ میں یہ سب دیکھتے ہوئے بھی کچھ کہنے سے بے بس ہوں۔ میں بس اتنا ہی کرتا ہوں کہ اپنے چھوٹے سے گھٹے گھٹے کمرے میں بستر پر آ گرتا ہوں اور کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں۔ آہ!

کہاں گیا میرا وہ کس بل۔ کہاں گیا میرا وہ جوش اور غصّہ! میں پھر پیچھے کی سمت دیکھنے لگتا ہوں۔ میری بیوی کی بس اتنی ہی خطا تو تھی کہ وہ اپنے رشتے کے بھائی کے سامنے سر ننگے بیٹھی ہنس رہی تھی اور اس سے چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔

میں نے سوچا یہ مجھ سے تو اس طرح نہیں ہنستی، یوں چہک کے بات نہیں کرتی یوں آزادی سے نہیں بیٹھتی — میں اکدم اس کے سامنے پہونچا تو اس نے ہڑبڑا کر اپنا سر ڈھک لیا ماتھے تک آنچل گرا لیا، اور ہنستے ہوئے غنچے سے لبوں کو ساکت کر لیا۔ میرا خون کھول گیا تھا۔ مجھ سے یہ شرم، یہ اجتناب، یہ پردہ اور اس سے..... اپنے اس نام نہاد بھائی سے!

www.taemeernews.com

میں نے اس خوبرو تنومند نوجوان کی طرف دیکھا تو میرا کھولتا ہوا خون اُبل پڑا۔

رات میں میں نے اسے وہ سب کہا جو نہیں کہنا چاہیئے تھا۔

آوارہ ! رنڈی۔ بے غیرت، بے حیا، بے وفا —— !

وہ بت کی طرح ساکت میرا منھ تکتی رہی اور سارے بچے ڈرے سہمے ایک طرف کھڑے رہے۔ صبح میری بیوی بستر سے نہیں اٹھی۔

ہاں ! دوسروں نے اس کو اٹھایا۔ نہلایا، دھلایا، نیا لباس پہنایا۔

وہ خاموش لیٹی تھی اور میں رو روکر اس سے کہہ رہا تھا۔

" نیک بخت ! مجھے معاف کردے ! "

وہ آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔ غیرت شرم اور خودداری کی دیوی ! لوگوں نے اسے مجھ سے چھین کر سپرد خاک کردیا۔ حیا دار تھی۔ مجھ سے آنکھیں نہ ملائی مجھے اپنا چہرہ نہ دکھایا۔ ایسا روٹھی کہ قبر کے دامن میں جا سوئی۔ مجھ سے بولنا گوارا نہ کیا۔ بہت دن تک رویا چلایا۔ سر پٹک پٹک مارا مگر اب ہونا کیا۔ کفِ افسوس ملتا تھا اور رہ جاتا تھا۔ سوچتا ہوں کیا میرا بیٹا اسی، حیا دار، خوددار اور پردہ داراں کا بیٹا ہے کیا میرا گرم خون اس کی رگوں میں جاکر ٹھنڈا ہوگیا ہے ہاں شاید اسی لئے کہ یہ فریج اور کولر کا زمانہ ہے۔

اور وہ دیکھو !

وہ دونوں کلب سے واپس آگئے ہیں۔ میری بہو میرے بیٹے کے بازوؤں کا سہارا لئے ہوئے ہے پھر بھی لڑکھڑا رہی ہے۔ بچے ہنس رہے ہیں۔

" میں شرابی نہیں۔ میں شرابی نہیں ! "

میرا بیٹا میری طرف نہ دیکھنے کی کوشش میں مصروف ہے —— !

www.taemeernews.com

میں اپنے کمرے کے دروازے کا پٹ یوں تھامے کھڑا ہوں کہ اگر اس کا سہارا نہ لیا تو زمین پہ گر جاؤں گا کسی پرانی دیوار کی طرح جس کی بنیاد کمزور ہو چکی ہو۔

بہو کہہ رہی ہے۔

"اُف ڈارلنگ! تمہارے باپ تو کباب میں ہڈی بن کر رہ گئے ہیں ہم کو آزادی سے ہنسنے بولنے بھی نہیں دیتے!"

---

www.taemeernews.com

افسانہ

"یہ میرا طرف دیکھ"

بڑے نواب صاحب کے سامنے ان کی تھوڑی بہت عزّت بہر حال سب کرتے تھے (چھوٹے نواب کو چھوڑ کر) نوکر چاکر بھی لحاظ کرتے تھے۔ لیکن بڑے نواب کی آنکھیں بند ہوتے ہی جیسے زمانہ ان سے پھر گیا۔

چھوٹے نواب یوں تو ان سے نفرت کا اظہار کرتے ہی رہتے تھے مگر ڈھکے چھپے۔ اب یہ عالم تھا کہ ڈنکے کی چوٹ پر ان کی دھجیاں اڑانے لگے۔ یہ بھی نہ سوچا وہ کوئی سہی، ان باپ کی عزّت ہیں نکاحی بیوی ہیں۔ کل تو حد ہو گئی جب بھرے مجمع میں چھوٹے نواب نے ان کو طوائف کہہ دیا۔

پہاڑ سا پیٹ پڑا چھوٹی بیگم پر ——— تھا

یہ لفظ۔ یہ نکروہ اور غلیظ لفظ۔ آج انھوں نے اپنے متعلق برسرِ عام سنا اور اس شخص کے منھ سے جس کو انھوں نے گود یوں کھلایا تھا۔ صدمے اور ذلت کے احساس نے ان کو چور چور کر دیا تھا وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر روئیں جیسے بڑے نواب نے سترہ دن پہلے نہیں ابھی ابھی دم توڑا ہو۔ اور اس بھری پُری دنیا میں ان کو تنہا چھوڑ گئے ہوں ——— ان کے آنسو اگر کسی نے پوچھے تو وہ ننھا شمشاد تھا چھوٹے نواب کا بیٹا۔ ان کا پوتا۔

اس کے ننھے سے دل میں اپنی چھوٹی دادی کے لئے کبھی نفرت پیدا نہ ہو سکی۔

www.taemeernews.com

اگرچہ امی اور ابو ہر وقت اس کو اس قسم کا سبق پڑھاتے تھے۔

"شمّو بیٹے چھوٹی کے پاس نہ جایا کرو!"

"کیوں ابّو؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھتا۔ کیوں نہ جایا کروں وہ مجھے اِتّا پیار کرتی ہیں۔ اِتّا پیار کرتی ہیں کہ آپ بھی نہیں کرتے!"

"ارے واہ! ہم تو جان دیتے ہیں اپنے بیٹے پر!"

چھوٹے نواب ہنس کر اس کا سر سہلاتے پھر سمجھاتے۔

"بیٹا چھوٹی اچھی عورت نہیں ہے!"

"اِتّی اچھی تو ہیں۔ وہ احتجاج کرتا۔ گوری گوری۔ پیاری پیاری۔ نماز پڑھتی ہیں۔ قرآن پڑھتی ہیں۔ میرے اوپر روز دعائیں دم کرتی ہیں مجھے حلوہ اور میٹھی ٹکیہ بنا کر کھلاتی ہیں۔ میرا منھ دھلاتی ہیں۔ کنگھا کرتی ہیں اور کبھی کبھی مجھے باتھ روم اور ریسٹورن بھی لیجاتی ہیں۔ امّی یہ سب نہیں کرتیں جب ان کے پاس جاؤ آیا کے پاس بھگا دیتی ہیں" وہ بسورا اور بڑی دادی نے تو کبھی مجھے پیار نہیں کیا۔ بس ہر وقت غصّہ کیا کرتی ہیں!"

اب امی اس کو لپک کر گود میں بھرتیں اور ریکارڈ کی طرح بجنے لگتیں۔

"ارے شمّو چاند یہ باتیں وہ جھوٹ موٹ کرتی ہے بڑی خرار عورت ہے وہ۔ تمہاری بڑی دادی اونچے گھر کی بی بی ہیں بڑی دھوم دھام سے بیاہ کے آئی تھیں مگر یہ چھوٹی جو ہے نا۔ اس نے تمہارے دادا حضور پر جادو کر کے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا ان کے ساتھ شادی کر لی تھی اور زبردستی رنگ محل میں گھس آئی تھی بڑی دادی کو بھلا غصّہ نہ آئے ـــــ

ایک طوائف اور اس کی یہ مجال!"

امّی کے لہجے میں زہر گھل جاتا اور شمشاد چونک کر پوچھتا۔

www.taemeernews.com

"طوائف کیا چیز ہوتی ہے امّی؟"

امّی ابّو کی طرف دیکھتیں ابو ان کو آنکھ مارتے اور کہتے۔

"طوائف بہت گندی عورت ہوتی ہے شمّو بیٹے!"

"وگندی۔ شمّو" اور حیران ہوتا۔ اُس کی ناک بہتی ہے ابّو یا وہ روز نہاتی نہیں ہے!"

وہ دونوں ہنس ہنس کر لوٹ جاتے اور یوں بات ختم ہو جاتی۔ لیکن، اس وقت کی ختم کی ہوئی بات دوسرے وقت شروع کر دی جاتی۔ امی بڑی مشکل سے سمجھا پائی تھیں کہ طوائف کیسی ہوتی ہے پھر بھی شمّو کے ننھے سے دماغ میں سما نہ پاتا کہ چھوٹی دادی بری عورت تھیں۔ وہ پاؤں میں گھنگھرو باندھ کے ناچتی تھیں۔ ارے واہ! وہ سوچتا۔ گھنگھرو باندھ کے تو میرے اسکول کی لڑکیاں بھی ڈانس کرتی ہیں ان کو کتنا انعام ملتا ہے۔ شاباشی ملتی ہے دادی بھی جب اسکول میں پڑھتی ہوں گی تب ناچتی ہوں گی۔ دادی نے دادا پر جادو کر دیا تھا۔ ارے نہیں دادی امی پیاری سی عورت ہیں جادو کیا جانیں۔ وہ جادو دکھانے والے مرد عورت جو آتے ہیں کتنے گندے اور زٹیل ہوتے ہیں دادی اگر جادو کرتیں دادا پر تو دادا چڑیا بن کے پھُر سے اُڑ جاتے یا گھوڑا بن جاتے۔ دادی نے دادا پر قبضہ کر لیا۔ واہ واہ۔ دادا بھی کوئی جانور ہو گئے کہ دادی نے باندھ لیا ——— وہ کوٹھے والی تھیں۔ لو بھیّا اچھا رہا۔ کوٹھے پر تو تمام لوگ رہتے ہیں۔ ماموں جان بھی تو کوٹھے پر رہتے ہیں نیچے گھر میں اور سب لوگ رہتے ہیں ——— شمّو دوڑا دوڑا جاتا اور چھوٹی دادی سے یہ سارا قصّہ بتا دیتا۔ وہ چپ چاپ سنا کرتیں اس کا سر سہلایا کرتیں کبھی کبھی بس ٹھنڈی سانس بھر لیتیں یا چپکے سے اپنی بڑی بڑی بھاری پپوٹوں

www.taemeernews.com

والی آنکھوں سے آنسو پونچھ لیا کرتیں۔

"دادی آپ کیوں روتی ہیں۔ شمو بیقرار ہو کر ان سے لپٹ جاتا ــــ آپ بہت اچھی ہیں بہت اچھی ہیں۔ مجھے بڑا ہونے دیجیے دادی میں آپ کے لئے تاج محل بنوا دوں گا!"

وہ کھلکھلا کر ہنس دیتیں۔ ان کے گورے چہرے پر یہ ہنسی ایک روشن سُرخی بن کر دوڑ جاتی۔ وہ شمو کا ماتھا چوم کر کہتیں۔

"اللہ تیری عمر دراز کرے۔ مگر بیٹا۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک۔"

"اس کا کیا مطلب ہے، دادی؟"

اور وہ شمو کو شعر کا مطلب سمجھانے بیٹھ جاتیں۔ چھوٹے نواب اور چھوٹی بیگم شمو کو جس قدر ان کے سائے سے بچاتے وہ اتنا ہی ان کے نزدیک ہوتا جاتا شعلہ رو اور تند خو بڑی دادی تو اس کو بالکل پسند نہ تھیں۔ بس یہی نرم نرم سی مکھن ملائی سی چھوٹی دادی اس کی جان تھیں۔ وہ دیکھتا کتنی لگن اور خاموشی سے چھوٹی دادی گھر کا سارا کام سنبھالے رہتیں۔ پھر بھی ہر طرف سے ان کو جھڑکیاں اور نفرت ہی ملتی تھی۔ بڑی دادی تو، اٹھتے بیٹھتے چھوٹی دادی کو رنڈی، بیسوا، آوارہ، ڈائن اور نہ جانے کن کن ناموں سے پکاریتیں پھر بھی وہ اُف نہ کرتیں۔ بڑی بڑی آنکھوں والی چھوٹی دادی جو عالم شباب میں یقیناً قیامت رہی ہوں گی تب ہی تو بڑے نواب جیسا دبنگ انسان ان کے سامنے جھک گیا تھا ــــــ!

چھوٹے نواب کو یہ تو یاد نہیں تھا کہ چھوٹی رنگ محل میں کب آئی تھیں ہاں۔ یہ خوب یاد تھا کہ ان کی اَمّی حضور چھوٹی کو اس نفرت اور حقارت سے دیکھتی تھیں جیسے وہ انسان نہیں نجس ترین جانور ہوں۔ پہلے ان کی اتنی بھی

www.taemeernews.com

مجال نہیں تھی کہ رنگ محل میں بڑی دادی کے سامنے چل پھر سکیں۔ الگ۔ ایک دور کے چھوٹے سے کمرے میں پڑی رہتی تھیں۔ کھانا دونوں وقت کوئی نوکرانی دے آتی تھی۔ بڑے نواب ان کے پاس جاتے ضرور لیکن بڑی بیگم سے چھپ چھپا کر ——— ! چھوٹی بے چاری کو بھی اس کا شکوہ نہیں تھا۔ وہ بڑے نواب کے اس طرح آنے پر ان کی ممنون تھیں ——— یہی کیا کم تھا کہ بڑے نواب نے اپنی زبان کی لاج رکھ کر ان کو اپنے گھر کی رنگ محل کی عزت بنا لیا تھا۔ بالاخانے سے باقاعدہ نکاح نامہ کے ساتھ ان کو رنگ محل کی ڈیوڑھی پر لاکے اتارا تھا ——— ! کیا کیا قیامتیں نہ آئی تھیں رنگ محل میں۔ بڑی بیگم نے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا ——— چھوٹی اس تنہا دور دراز کمرے میں پڑی رویا کرتیں اور ڈر کے مارے کانپا کرتیں مگر، اس دہلیز کو چھوڑ کر پھر اس بالاخانے کے جہنم میں جانا انھوں نے گوارا نہ کیا۔ بڑی بیگم کا ہر ظلم ہر ذلت برداشت کی۔ کیسے کیسے زہر بھرے فقرے اور چلے کمال ضبط اور صبر کے ساتھ جھیل لئے اُف نہ کی۔ ان کے اسی صبر و استقلال اور خاموشی نے بڑے نواب کے دل میں ان کے لئے ایسی جگہ بنا دی تھی جسے کوئی بھی مٹا نہیں سکتا تھا

آخر، بڑی بیگم تھک ہار کے بیٹھ گئیں۔ ان کے سارے حربے بیکار گئے بڑے نواب نے ہر بار ان سے یہی کہا۔

"بیگم ! وہ تمہارے پاؤں کی جوتی ہے۔ کبھی سر پہ نہیں آئے گی۔ ایک کونے میں پڑا رہنے دو!"

بڑی بیگم نے ہمیشہ چھوٹی کو پاؤں کی جوتی ہی سمجھا مگر جوتی بھی وہ جو نفیس اور نئی نہیں تھی حد غلیظ بدبو دار اور گھٹیا چرم کی جس کو انھوں نے

www.taemeernews.com

کبھی اپنے خاص کمرے تو کیا برآمدے کی سیڑھی پر بھی نہیں آنے دیا۔
چھوٹے نواب نے آنکھ کھول کر بس یہی دیکھا تھا۔ ان کی رگ رگ میں چھوٹی کیلئے نفرت و حقارت کا وہ بے پناہ جذبہ بھر گیا تھا کہ وہ چھوٹی کو آنکھ بھر کر تو کیا آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔
رفتہ رفتہ، چھوٹی کمرے سے نکلی تھیں لیکن کسی اچھی حیثیت کیا تھ نہیں ملازمہ کی حیثیت سے۔ ماما کی حیثیت سے۔ آیا کی حیثیت سے! بہرحال وہ خوش تھیں، مطمئن تھیں۔ ننھے شمشاد کی صورت میں ان کو بے حد پیارا کھلونا مل گیا تھا وہ اس کو نہلا دھلا کر کھلا پلا کر بڑی خوشی محسوس کرتی تھیں۔
ذرا دیر کو اپنی ساری تکلیفیں بھول جاتی تھیں۔ چھوٹی بہو کے یہاں دوسری بچی پیدا ہوئی تو ان کی توجہ اور بھی بٹ گئی اور اس طرح شمشاد چھوٹی دادی کے اور بھی قریب آ گیا۔ پھر، ایسا ہوا کہ اٹھائیس سال کی ادھوری سی رفاقت کے بعد ایک دن بڑے نواب نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ چھوٹی کمرے کے اندر تڑپ تڑپ کے روئیں۔ پچھاڑیں کھا کھا کر گریں۔ لیکن ان کی اتنی ہمت نہیں پڑی کہ باہر نکل کر شوہر کی لاش کے پاس جائیں۔ آخری بار ان کا دیدار کر لیں رنگ محل میں کہرام مچا تھا ---- بڑی بیگم کی چوڑیاں، ناک کی کیل اور کانوں کے بُندے اُتارے گئے تھے۔ بھائی نے ان کو رنڈسالے کا سفید ڈوپٹہ اڑھایا تھا وہ بین کر کر کے شوہر کے جنازے پر لوٹ رہی تھیں۔ اپنے کمرے کے اندر چھوٹی نے اپنے ہاتھوں اپنی چوڑیاں توڑیں اور ناک سے جگمگاتی لونگ نکالی پھر تھرتھراتے قدموں سے اُٹھ کر بکس میں سے ایک سفید چادر نکال کر سر پر ڈال لی۔ اور یہ کرنے کے بعد ایک لمبی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔ ہوش آیا تھا تو شمشاد کو اپنے اوپر جھکے دیکھا تھا۔

www.taemeernews.com

"دادی۔ دادی پیاری!" وہ رو کر ان سے لپٹ گیا تھا۔ میں سمجھا تھا آپ بھی دادا کی طرح اوپر اللہ میاں کے پاس چلی گئیں!"

انھوں نے شمشاد کو سینے سے لگایا تو یوں لگا دل کے گہرے گھاؤ پر کسی نے مرہم رکھ دیا ہو ——!

بڑے نواب کا جنازہ چلا گیا کسی کو ان کا خیال نہ آیا۔ رات کے جانے کس حصّے میں ایک ملازمہ چائے کی ایک پیالی اور دو بسکٹ دروازے کی دہلیز پر رکھ کر چلی گئی تھی انھوں نے چھوئی بھی نہیں۔ رات بھر زمین پر بیٹھ کر دیوار کا سہارا لیکر اس شوہر کے تصوّر میں ڈوبی رہیں جو کل تک پھولوں کے بستر پر لیٹا تھا۔ آج، منوں مٹی تلے دبا پڑا تھا رات بھر یہ شعر اُن کے دل و دماغ پر تازیانے کی طرح برستا رہا تھا۔

دبا کے قبر میں سب چل دیئے دُعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو ——!

اور صبح جب وہ جا نماز پر کھڑی ہوئی تھیں تو یوں لگا تھا بڑے نواب سامنے آ کھڑے ہوئے ہوں اور کہہ رہے ہوں۔

"شبّو! بڑے صبر سے کام لیا اب تک۔ اب بھی اسی ہمت اور صبر سے کام لو یہاں نہ سہی وہاں اس کا اجر ملے گا۔ اس لئے کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے!"

اور ان کے تڑپتے تپکتے سسکتے دل کو اچانک سکون مل گیا۔ کسی نے نہ آنسو پونچھے نہ ڈھارس دی سان کے کانپتے چوڑیوں سے خالی ہاتھوں نے خود ہی اپنی آنکھیں خشک کر لیں پھر چپکے سے باہر نکلیں اور سب کی نظریں بچاتی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ کہ، یہی ان کی پناہ گاہ اور جائے اماں تھی!

پورا رنگ محل عزیزوں اور دوست اقارب سے بھرا پڑا تھا۔ بڑی بیگم کو اپنے

www.taemeernews.com

غم سے فرصت نہ تھی اور بہو نے گھر سنبھالا ہی کب تھا جو کوئی ڈھنگ ہوتا۔ وہ اپنا بے پناہ غم سینے میں دبا کر گھر کے انتظام میں جُٹ گئیں۔ اتنا بڑا کنبہ اندر اور باہر دونوں جگہ کا کھانا اور ناشتہ اور ذرا ذرا دیر کے بعد چائے! کیا مجال جو ذرا بھی دیر ہو جاتی ــــ!

لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے۔

"بھئی یہ کس کا انتظام ہے"

شدہ شدہ سب جان گئے چھوٹی بیگم کے ہاتھوں کا سلیقہ ہے۔ جانے کتنوں نے تو ان کو ابھی تک دیکھا نہ تھا اب اشتیاق ہوا ذرا دیکھیں تو ــــ: جانے کس عزیز عورت نے یہ کہہ کر ان کو باورچی خانے سے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"اٹھئے! چھوٹی دلہن جان۔ آپ کا بھی کوئی حق ہے اس فرش پر جس پر مامول جان کی صفِ ماتم بچھی ہے"

وہ نہیں نہیں کرتی گئیں مگر کھینچ لائی گئیں۔

اَن گنت آنکھیں ان کی طرف اٹھیں۔ سوالیہ آنکھیں حیرت سے بھری آنکھیں۔ ان آنکھوں کے بیچ وہ دو آنکھیں بھی تھیں جن سے چھوٹی ہمیشہ ڈرتی تھیں۔ ان آنکھوں میں اس وقت بھی حقارت تھی، نفرت تھی شدید غصّہ تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دو ہاتھ اُٹھے اور سفید ڈوپٹے کا آنچل چہرے کے سامنے تان لیا گیا اور ایک قہر بھری آواز گونجی۔

"یہاں آرا۔ تمھیں کیسے ہمت ہوئی کہ اس کو میرے سامنے لاؤ! کیا تمھیں نہیں معلوم شریف بی بیاں غیروں سے پردہ کرتی ہیں!"

سب کو سانپ سونگھ گیا اور انھیں ..... !! انھیں یوں لگا اس بھرے مجمع میں ان کے جسم سے وہ لباس نوچ کر پھینک دیا گیا ہے جسے ان کے شوہر نے

www.taemeernews.com

نکاح کے وقت پہنایا تھا

جانے کس کس طرح وہ اس جگہ سے کھسکیں اور جانے کیسے اپنے کمرے میں پہونچیں ان کے ساتھ ہی ساتھ شمشاد بھی پہونچا۔

"دادی۔ میری اچھی اچھی دادی۔ آپ بڑی دادی کی گالی کا ذرا بھی بُرا نہ مانیں۔ مجھے بڑا ہونے دیں میں سب سے آپ کا بدلہ لوں گا سب سے!"

اس کا ننھا سا گورا چہرہ شدّتِ جذبات سے سُرخ ہو رہا تھا۔

"میرے لال کے لال۔ ان کے منھ سے نکلا اور انھوں نے اس ننھے سے وجود کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا ــــ!

"آپ کا لال کون ہے دادی؟" شمشاد نے پوچھا۔

"تمھارے ابّو! اعتماد نواب!" وہ جانے کس جذبے سے سرشار ہو کر بولیں۔

"مگر وہ تو آپ کو ہر وقت گالی دیتے ہیں۔ آپ کے پاس آنے کو منع کرتے ہیں۔ آپ کے لال کیسے ہوئے۔ لال آپ کا تو میں ہوں دادی میں!" شمّو نے ننھا سا سینہ پھلا لیا۔

اس روز کی ذلّت بھی انھوں نے بھلا دی۔ بڑی بیگم کے منھ سے وہ اس طرح کی باتیں سننے کی عادی ہو چکی تھیں لیکن چھوٹے نواب، یعنی اعتماد نواب کے منھ سے یہی الفاظ یوں بھرے مجمع میں سنکر گویا زمین میں زندہ دفن ہو گئیں ان کا دل زخمی ہو گیا، لہولہان ہو گیا۔ یہ کل کا بچّہ..... جس کو انھوں نے گودیوں کھلایا تھا بڑی بیگم سے چھپ چھپ کر اس کا گو، موت کیا تھا۔ اس کا کاجل اُبٹن کیا تھا۔ اس کو گودی میں لیکر ٹہلایا تھا۔ لوریاں سنائی تھیں۔

اس نے یہ بھی نہ سوچا۔ چھوٹی ان کے باپ کی عزت ہیں۔ دہلیز کی لاج ہیں۔ اس دہلیز کو چھوڑ کر کہاں جائیں گی۔ کس بے دردی سے بھرے مجمع میں چھوٹے نواب نے جنگھاڑ جنگھاڑ کر کہا تھا۔

www.taemeernews.com

"بس بہت برداشت کیا میں نے اس غلاظت کے ڈھیر کو۔ ابّا حضور کی وجہ سے میں خاموش تھا۔ اب نہیں رہ سکتا۔ اس عورت سے کہہ دو رنگ محل کو اپنے ناگوار اور ناپاک وجود سے خالی کر دے۔ ابّا حضور کے جہلم سے پہلے یہاں سے منہ کالا کر جائے ورنہ میں چوٹی پکڑ کر نکال باہر کروں گا!"

خدایا۔ وہ کمرے میں تڑپ رہی تھیں اور گھٹی گھٹی آواز میں بڑے نواب کی تصویر سے فریاد کر رہی تھیں۔

"سنتے ہیں سرتاج۔ میں اب بھی غلاظت کا ڈھیر ہوں۔ ایک ناگوار۔ ناپاک بوجھ ہوں..... میں کدھر جاؤں سرتاج۔ کدھر جاؤں؟"

"آپ کہیں نہیں جائیں گی دادی۔ شمشاد چھکوں پہکوں رو رہا تھا۔ اور آپ جہاں جائیں گی میں بھی وہاں جاؤں گا!"

یہی بات اس نے چھوٹے نواب سے بھی کہی تھی۔

اپنی ننھی منّی آنسوؤں سے بھری آواز میں چیخ کر۔ اپنے جسم کی ساری طاقت لگا کر۔

"ابو۔ دادی کبھی نہیں جائیں گی! اور اگر آپ ان کو گھر سے نکالیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ چلا جاؤں گا ہاں!"

"کیا؟" چھوٹے نواب کی آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں۔ چھوٹی بہو حق دق رہ گئیں اور بڑی بیگم نے کہا۔

"دیکھو۔ یہ دیکھو اس ڈائن کا کرشمہ۔ خدا جنّت نصیب کرے۔ اس کے دادا کو قبضے میں کیا اب اس ننھی سی جان پر جادو چلا رہی ہے۔"

"کیا کہا تم نے؟" اعتماد نواب نے شمشاد کے داہنے رخسار پر ایک زور کا ہاتھ مارا اور وہ تلملا کر دادی، دادی۔ پکارتا ہوا اس تیزی سے بھاگا کہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ سیدھا آکر چھوٹی کی گود میں گر گیا جو بُت بنی بیٹھی تھیں۔ کئی گھنٹے تک

www.taemeernews.com

وہ اسی طرح اسی جگہ بیٹھی رہیں۔ شمشاد روتے روتے ان کی گود میں سو گیا تھا۔

پھر رات اتر آئی۔ چراغ جل گئے تب! بڑے نخروں اور کراہیت کا اظہار کرتی چھوٹی بہو آئیں اور دروازے سے ہی پکار کر بولیں۔

"شمّو بیٹے چلو تمہارے ابّو بلا رہے ہیں!"

چھوٹی یوں چونکیں جیسے کسی نے ان کو پتھر کھینچ مارا ہو۔ چھوٹی بہو کو اپنے کمرے کے دروازے پر اس طرح کھڑے دیکھ کر وہ اپنا غرارہ سمیٹے ڈوپٹے کے دونوں پلّو بغلوں میں دبائے گویا یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ اگر کہیں بھولے سے بھی ان کا لباس اس دروازے یا دیوار سے چھو گیا تو نجس ہو جائے گا۔! ان کا چہرہ! شاید ۲۸ برس میں پہلی بار دہک اُٹھا۔ ان کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔

سوتے ہوئے شمشاد کو اپنی گود میں اور بھی سمیٹ کر وہ غرّائیں۔

"دلہن! اعتماد نواب سے کہدو ہمّت ہو تو شمّو کو آ کر لے جائیں!"

چھوٹی بہو آنکھیں پھاڑ کر ان کو دیکھتی رہیں۔ یہ کیسی اَن ہونی بات تھی۔ کیا سچ مچ یہ آواز چھوٹی ہی کے لبوں سے نکلی تھی۔ کیا سچ مچ یہ لہجہ اور یہ دہکتا ہوا چہرہ چھوٹی ہی کا تھا۔

"کہدو اعتماد سے۔ نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچل کر وہ پھنکاریں۔ اس غلاظت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے اپنے اس موتی کو آ کر اٹھا لیجائیں!"

اعتماد سچ مچ چڑھ دوڑے۔ اپنے ہوش میں پہلی بار وہ اس کمرے میں آئے تھے۔ قہر و غضب کے پیکر بنے ہوئے۔

"تمہاری یہ تخنے ہمّتے!" وہ اس زور سے گرجے کہ چھوٹا سا کمرہ جھنجھنا اٹھا۔

"ہاں! وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولیں ــــ اس لئے کہ چیونٹی بھی جب دبائی جاتی ہے تو کاٹ لیتی ہے۔ ناگن کی دُم جب کچلی جاتی ہے تو وہ سر

www.taemeernews.com

اُٹھا کر ڈس لیتی ہے۔ میں نے بہت برداشت کیا۔ بہت صبر کیا ۔۔۔ تمھاری ماں کا ہر ظلم اٹھایا۔ اُف نہ کی ۔ ۲۸ برس زہر پیتی رہی اور تڑپی نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ مگر تم ۔۔۔۔۔ تم اسی طرح مجھے ذلیل کرو۔ مجھے رنڈی اور بیسوا کہو۔ مجھے گھر سے چوٹی پکڑ کے نکالنے کی دھمکی دو۔ اور میں چپ رہوں ! "

" وہ تو اب بھی کروں گا!" غصے سے کانپتے ہوئے اعتماد نواب آگے بڑھے تو چھوٹی ٹڑ کڑک کر بولیں ۔

" بس ! اعتماد ! قدم آگے نہ بڑھے ! "

" کیا کر لوگی تم میرا ۔ اعتماد نواب ان کی کڑک پر رک تو گئے لیکن آنکھوں سے خون اُگل کر اور دانت پیس کر انھوں نے پوچھا۔ بول ذلیل عورت کیا کریگی تو میرا ؟ "

" یہی کروں گی کہ تمھاری عاقبت خراب کر دوں گی ـــــ وہ زہر بھری مسکراہٹ کیساتھ بولیں ۔ میں تمھارا دودھ نہیں معاف کروں گی ۔ تمھیں عاق... کر دوں گی ! "

" تم ۔۔۔۔۔ تم ۔۔۔۔۔ تم ۔۔۔۔۔ " اعتماد نواب کا بس چلتا تو اُن کی بوٹیاں نوچ ڈالتے ۔

" آج تک میں زبان پر نہیں لائی تھی کہ تو کس کا بیٹا ہے ۔ میرا ظرف دیکھ میرے ناخلف بیٹے ۔ تو ایک طوائف کے پیٹ سے پیدا ہو کر اس کی دھجیاں اڑاتا رہا۔ میری بیگم مانگے کے اجالے سے اپنا دل روشن کئے میری زندگی میں زہر گھولتی رہیں۔ میرے صبر کا پیمانہ نہیں چھلکا۔ آج بھی نہ چھلکتا اگر تو اس طرح مجھے ذلیل نہ کرتا میں اسی خاموشی اور صبر کے ساتھ بقیہ زندگی اپنے شوہر کی یاد اور اپنی سوت کی خدمت میں گزار دیتی ! "

www.taemeernews.com

اعتماد نواب کا منہ کھلا تھا اور آنکھیں تارہ بنکے چھوٹی کے چہرے پہ ٹنکی تھیں۔

چھوٹی نے پھر بات کا سلسلہ جوڑا

"میں اور بڑی بیگم، ۲۸ برس پہلے ایک ساتھ امید سے ہوئیں۔ میرا حمل یوں چھپایا گیا جیسے ناجائز ہو — اور بڑی بیگم کے قدم قدم پہ اللہ آمین ہوتی رہی۔ ۹ ماہ کے بعد رنگ محل میں یکے بعد دیگرے دو بچے ہوئے۔ دونوں لڑکے۔ ایک اسی تنگ و تاریک کمرے میں ایک اَن پڑھ غلیظ دائی کے ہاتھوں اس دنیا میں آیا۔ دوسرا صاف و شفاف اور معطر زچہ خانہ میں دو دو لیڈی ڈاکٹروں کے ہاتھوں دنیا میں آیا۔ بڑی بیگم بیہوش تھیں۔ بچہ بھی بے حد کمزور تھا۔ میں اپنے ننھے سے پھول کو دیکھ کر پھولی نہ سما رہی تھی۔ خدا کی قدرت دیکھو کیا کیا کرشمے دکھاتی ہے۔ بڑی بیگم کا بچہ دنیا میں آکر فقط چند سانسیں ہی لے سکا۔ بڑے نواب پریشان ہو گئے میرا بچہ سلامت رہے اور بڑی بیگم کا بچہ مر جائے یہ کیسا غضب تھا — یا تو اس غم کو وہ برداشت کر پاتیں یا پھر میری اور میرے بچے کی زندگی کی دشمن بن جاتیں۔ انھوں نے لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کیا پھر میرے پاس آئے مجھ سے انھوں نے اپنی محبت کی بھیک مانگی۔ ہاں اعتماد انھوں نے مجھ سے میرے بچے کو مانگا۔ میں پہلے تو سناٹے میں رہ گئی پھر یہ سوچ کر کہ ایک زندگی بچ جائے گی، وہ میری سوت کی سہی اور میرے بچے کو عزت کی زندگی ملے گی۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے اس ننھی سی جان کو اپنے دل کے ٹکڑے کو، اپنی آنکھوں کے نور کو نواب کی گود میں دے دیا۔ بڑی بیگم کو ہوش آیا تو ایک تندرست گورا چٹا سا پیارا بچہ ان کے پہلو میں پڑا تھا رنگ محل کا ولی عہد!

"اب سمجھے تم اعتماد نواب! میں نے کیسا ایثار کیا تھا۔ کتنا بڑا ظرف میرا اور میں شمو کو اپنی آنکھوں کا اجالا کیوں سمجھتی ہوں! ہاں چلو آگے بڑھو اور مجھے

www.taemeernews.com

چوٹی پکڑ کر نکال باہر کرو "

وہ جوش و غضب کے عالم میں کانپتی ہوئی کہہ رہی تھیں اور چھوٹے نواب
یوں کھڑے تھے جیسے پتھر کا کوئی مجسمہ ہوں!

پھر! اچانک اس مجسمہ میں حرکت ہوئی جان پڑی وہ آگے بڑھے
اور چھوٹی کے قدم تھام لئے۔

www.taemeernews.com

افسانے

کہاں ہو؟

"مُوا ہتھیلی پر جان لئے پھرتا ہے دیکھنا کسی دن بھگتے گا"
اتنا کہہ کر گوری چچی نے منہ میں بھری پیک کی پچکاری دالان کے کھمبے پر پھینکی اور ڈوپٹے کے پلّو سے باچھیں پونچھ کر غصیلی نظروں سے ذرا فاصلے پر بیٹھے شجّو میاں کو دیکھنے لگیں جو پاجامے کا پائنچا گھٹنے تک چڑھائے دھیرے دھیرے گھٹنا مَسل رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔
میں نے ان کے نزدیک جا کر پوچھا۔
"یہ کیا ہوا شجّو بھائی۔ چوٹ لگ گئی؟"
شجو میاں نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ گوری چچی کڑک کر بولیں۔
"گھٹنا توڑ لایا ہے مونڈی کاٹا۔ مہینہ بھر رگڑے گا تب کہیں چلنے کے قابل ہوگا پڑے پڑے آرام سے کھائے گا اور کیا!"
شجّو میاں کے ماتھے پر شکن نہ پڑی۔ اسی طرح مسکراتے ہوئے نرم نرم لہجے میں بولے۔
"ایک ذرا سی چوٹ لگ گئی ہے اماں تو ایسے ہی بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہیں!"
"ہاں اور کیا سٹرن جو ہوں میں۔ بادل بھر گرجا۔
تیرا بھلا چاہتی ہوں نا؟ اور سب عقل مند ہیں کہ تیری جان کو مٹی سمجھے ہیں میں بھی جوتی کی نوک پر ماروں تب تجھے عقل آئے گی موا بوکھل۔ خوشامد خورہ

www.taemeernews.com

ذرا کسی نے میٹھی بولی بولی اور دماغ آسمان پر جا لگا۔ کسی نے روتی صورت بنائی اور یہ خدائی خوار کنویں میں کودنے کو تیار ہو گیا دیکھنا کسی دن ....."

گوری چچی کو پھر پیک تھوکنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔

میں نے دیکھا شجو میاں کے داہنے پاؤں کے گھٹنے پر خاصا ورم ہو آیا تھا اور روپے کے برابر نیل پڑا ہوا تھا۔ میری سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"مولوی چچا کی گائے منشی کے اندھے کنویں میں گر گئی تھی غریب رو رہا تھا میں نے دس بارہ آدمی جمع کر کے رسّوں کی مدد سے گائے تو نکلوا لیا اسی میں یہ ذرا سی چوٹ آ گئی۔

بادل اور زور و شور سے گرجنے لگے۔

"ارے تو۔ تو تو کوئی پانی چڑھا دے جلتی آگ میں بھاند پڑے۔ آج کسی کی گائے کل کسی کی بکری، پرسوں کسی کی مرغی۔ ارے بھگتے گا کسی دن!"

میں نے بے چارے کا گھٹنا سینکا۔ آیوڈکس کی مالش کی۔ پھر چلتے چلتے سمجھا بھی دیا۔

"شجو بھائی آپ سچ مچ اپنی جان کو جان نہیں سمجھتے، ابھی مہینہ بھر ہوا کتنی بڑی چوٹ کھا چکے ہیں اللہ اللہ کر کے اٹھے تھے کہ آج پھر چوٹ کھا بیٹھے۔ گوری چچی کا خیال کیا کیجئے!"

"بہن کیا کروں مجھ سے برداشت نہیں ہوتا ہے!"

وہ لیٹے ہی تھے کہ گوری چچی نے ان کا منہ چھاپ دیا۔

"ہاں ہاں اور یہ برداشت ہوتا ہے کہ پیر تڑواؤ، ہاتھ زخمی کرواؤ... ماتھا پھوڑو....."

بادلوں میں اب بجلی بھی کڑکنے لگی تھی اس لیے شجو بھائی اپنی بات ادھوری

www.taemeernews.com

چھوڑ کر لنگڑاتے گھسٹتے ڈیوڑھی میں چلے گئے۔ میں ان کو جاتے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔
اللہ۔ یہ شجو بھائی کتنے اچھے ہیں۔
نرم نرم بولی۔ نرم نرم مسکراہٹ۔ نور برساتی آنکھیں۔ پیار کے موتی لٹاتا دل۔ اتنا وسیع اتنا بڑا کہ دنیا ہی سما جائے لگتا ہی نہ تھا کہ وہ گوری چچی کے بیٹے ہیں۔ پتھر توڑ آواز، لکڑ توڑ لہجہ، سخت چہرہ، کٹھور انداز ــــ!
سنا ہے شجو بھائی کے ابا بھی ایسے ہی نرم مکھن ملائی انسان تھے۔ جو دوسروں کے لئے جیتے تھے۔ شجو بھائی بھی اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کی ذات سے پیار رکھتے تھے، محلے کیا بستی بھر کے لئے ان کی جان ہر وقت حاضر رہتی۔ ہر ایک کے آڑے گاڑھے میں وہ دل و جان سے شریک ہوتے تھے چھوٹا کام ہو یا بڑا ان کے لائق ہو یا نہ ہو وہ منھ نہ پھیرتے۔
تب ہی تو ہر کوئی ان کا کلمہ پڑھتا۔ صبح سے لیکر رات تک ڈیوڑھی پر آوازیں لگا ہی کرتیں۔
"شجو بھیا ہوت"
"اماں شجو بھائی"
"شجو میاں"
"شجو چچا"
"شجو ماموں"
"اماں یار شجو"
گوری چچی اندر سے کڑکا کرتیں، گرجا کرتیں، برسا کرتیں باہر شجو میاں مسکراہٹ کی چاندنی بکھیرے لوگوں کے اندھیرے دور کرنے کی کوشش میں لگے رہتے۔ اللہ رکھے کھیت پات گھر بار سب کچھ تھا۔ اکلوتے لڑکے تھے چاہتے تو اس شان سے نہ رہتے

www.taemeernews.com

کہ کرتے کا کلف ڈنکے کی طرح بجتا، پاجامے کی چوڑیاں اِدھر سے اُدھر نہ ہوتیں اور دائیں بائیں نظر ڈالنا بھی کسر شان سمجھتے، مگر وہ تو بقول منّے چچا سانس بھی دوسروں کے لئے لیتے تھے۔

گوری چچی کو بہو کی کتنی تمنّا تھی۔ پوتے پوتی کھلانے کا کتنا چاؤ تھا۔ پر شبّو میاں شادی کے نام پر ایسا دم سادھتے کہ لگتا بچ بچ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ چچی کا ہر حکم وہ کان دبا کر بجا لاتے لیکن ایک یہ بات نہ مانتے ایک چپ ہزار چپ!

گوری چچی کڑکا کرتیں گرجا کرتیں وہ سر جھکائے سنا کرتے وہ رونے لگتیں تو اُٹھ کر گلے میں بانہیں ڈال دیتے۔

"اماں پیاری۔ اچھی بھلی زندگی کو کیوں روگ لگا دیجے گا۔ گھر میں کس قدر سکون ہے اس سکون کو درہم برہم کیوں کرنا چاہتی ہیں آپ!"

"ارے یہ موا سکون ہے۔ گھر نہیں قبرستان ہے قبرستان نہ بچوں کی چیں پیں نہ بہو کی پائل کی چھن چھن!"

"ارے ہاں۔ شبّو میاں ہنس دیتے۔ چار روز کے بعد بہو پائل کی چھن چھن سنانے کے بجائے قینچی سی زبان چلائے گی اور پوتے پوتی آپ کو سفید بالو والی مائی کہہ کر مذاق اڑائیں گے تب اماں آپکے سارے ارمان اور تمنّائیں دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اماں، مجھے خدمت خلق اور اپنی خدمت سے محروم نہ کیجئے۔ سنا ہے آجکل بیوی کا منھ دیکھ کر لڑکے ماں سے منھ پھیر لیا کرتے ہیں۔ مجھے اپنے ہاتھ سے کیوں نکالے دے رہی ہیں آپ!"

کتنی لچھے دار تقریر کر کے شبّو میاں گوری چچی کو قائل کر دیا کرتے۔ چار چھ روز گوری چچی دم سادھے رہتیں۔ شبّو میاں بقول خود جی بھر بھر خدمتِ خلق کیا کرتے مگر ایک روز گوری چچی پھر پھٹ پڑیں۔

www.taemeernews.com

"ارے بنّو کو دیکھو ۲۵-۲۶ برس کے سن میں اللہ رکھے پانچ بچے پیدا کر دیئے، مرغی کے چوزوں سے کیسے پیارے لگتے ہیں بشمشاد کو دیکھو کیسی موہنی دلھن بیاہ کے لایا ہے، للّن کے یہاں رات لڑکی پیدا ہوئی ارے جیسے چاند کا ٹکڑا۔ ہائے مولا۔ کیا میرا گھر یونہی سنسان بیابان رہے گا۔ ارے ففجّو اب تو میری قبر پہ ہی سہرا باندھ کے جانا میری زندگی میں تو تو بیاہ کرنیگا نہیں موئے بے درد، سنگدل، دنیا کے لئے موم کا ڈھیر ہے مگر میرے لئے مونگے کی چٹان ہے۔

شجّو میاں فوراً ماں کے پاؤں دبانے بیٹھ جاتے۔ مارے لاڈ کے سر میں تیل ٹھونک کے بال سلجھانے کے بعد چکنی چکنی کنگھی کر کے اُلٹی سیدھی چوٹی بھی گوندھ دیتے پھر فخریہ لہجے میں کہتے۔

"یہ دیکھو اماں کتنی خوبصورت چوٹی گوندھی ہے تمھاری بہو کیا خاک ایسی خدمت کریگی وہ تو اُلٹے آپ ہی سے سر میں تیل ٹھونکنے کا حکم دیا کریگی!"

گوری بی کچھ دھیمی پڑ جاتیں ذرا مسکراہٹ آتی مکھڑے پہ کہ ایکدم دروازے پہ کوئی آواز ان کی سماعت پہ بم بن کر گرتی۔

"شجّو میاں ہوت"

اور شجّو میاں تڑپ کر باہر لپکے گئے۔

"دیکھو تو ایسا بلبلا کر بھاگا ہے جیسے اماں کا دودھ پینے جا رہا ہو!"

بادل زور و شور سے گرجنے برسنے لگتے مگر باہر شجّو میاں اپنی میٹھی میٹھی بولی میں آنے والے سے باتیں کرنے میں مصروف رہتے۔

کیا ہندو، کیا مسلمان، کیا چمار کیا لوہار، شجّو میاں کی نظر میں سب برابر تھے۔ جس طرح وہ چاچا ہری چندر کے پوتے کے لئے آدھی رات میں ہسپتال اور گھر ایک

www.taemeernews.com

کر دیتے۔ رات رات بھر مریض کے سرہانے بیٹھ کر گزار دیا کرتے، اسی طرح ماموں تفضل کی بیوی کے لئے آندھی پانی میں بھی دوا کی شیشی لئے زنانے ہسپتال کے دروازے پر گھنٹوں کھڑے رہا کرتے۔ منگو لوہار کی لڑکی کی بارات کے لئے وہ کوسوں دور پہنچ جاتے۔ بدلو انصاری کے لڑکے کی بات پکی ٹھہرانے میں کھانا پینا بھول جاتے۔ کہیں جھگڑا بکھیڑا ہوتا شجو میاں فیصلہ کرنے پہنچ جاتے، کہیں کوئی تقریب ہوتی پہلا بلاوا شجو میاں کا ہوتا ـــــ کوئی غمی ہوتی شجو میاں رومال لئے سوگواروں کے آنسو پونچھنے حاضر ـــــ!

گوری چچی کو قلق بس اسی بات کا تھا کہ وہ نہ دن کو دن سمجھتے نہ رات کو رات اپنے لئے اپنے آرام کے لئے ان کے پاس کوئی وقت ہی نہ تھا۔ جوانی کی امنگوں بھرے دن و رات دوسروں کے لئے بتاتے جا رہے تھے۔

شجو میاں کو اپنی بستی پر فخر تھا کہ سو برس سے وہاں فرقہ وارانہ فساد تو کیا معمولی سی حجت یا تکرار بھی نہیں ہوئی۔ لوگ آپس میں یوں گندھے ہوئے تھے جیسے مالا اور اس مالا کی ڈوری بڑی مضبوط تھی بڑی ہی مضبوط۔ سب آپس میں بھائی بھائی تھے۔ مل جل کر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک۔ خوشی میں شامل۔ شجو میاں کے وجود کو خنک خنک ہلکی مہکی چاندنی جیسے پھیلی دلی آپس میں [illegible] مل گئے ـــ!

حکم چند کی لڑکی کی بارات دروازے سے واپس جانے لگی تھی وعدے کے مطابق باپ بے چارہ لڑکے کے باپ کے ہاتھ پر پوری رقم نہ رکھ سکا تھا ـــــ دس ہزار طے ہوئے تھے وہ چھ ہزار ہی کا انتظام کر سکا تھا۔ اس نے گڑگڑاتے کانپتے، گھگھیاتے ہوئے یہ رقم سمدھی کو پیش کی تو وہ اکڑ گیا۔

دوا جی۔ صرف چھ ہزار۔ وعدہ دس کا تھا ـــــ نہیں کبھی نہیں۔

www.taemeernews.com

میرا بیٹا چھ ہزار میں نہیں بکے گا۔ تیس ہزار کا مال ہے وہ تو کہو رحم کھا کے دس پر ہی راضی ہو گئے تھے۔ چلو اٹھو۔ ہم واپس جائیں گے!" اس کے کڑک کر بیٹے کو منڈپ سے اٹھا دیا۔ اللہ! پوری بستی کی ناک کٹ رہی تھی۔

لڑکی کی برات اور دروازے سے واپس جائے۔ شجو میاں بھاگے بھاگے گئے گوری جی کے بکس سے دو ہزار جمع جتھا نکال لائے۔ مولوی مقصود نے اپنی دکان کھول کر کیش بکس سے دو ہزار کے کڑکڑاتے نوٹ نکالے اور دولھا کے باپ کی جھولی میں ڈال دیئے۔ اصل خیر سے لڑکی رخصت ہو گئی شجو میاں نے اطمینان کی سانس لی۔

ٹوٹے ہوئے جاگیردار انصر حسین کی کوٹھی نیلام ہونے لگی تو ہری چندر رحم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے بولی انصر حسین کے نام پر ہی ٹوٹی۔ ہری چندر کی جیب تھی انصر حسین کا ہاتھ تھا ــــــ!

شجو میاں ٹھیک ہی تو کہتے تھے۔

"میری بستی جنت ہے جنت!"

مگر اُف!

جانے کس کی نظر لگ گئی شجو میاں کو۔ جانے کس نے آگ بھڑکا دی دلوں میں جانے کس نے انگارے بھر دیئے نگاہوں میں۔

ایک روز شجو میاں کی جنت میں فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک چنگاری بھڑک کر شعلہ بن گئی اور اس شعلے نے خرمن کو پھونک ڈالا۔ آن کی آن میں!

اللہ اللہ! وہ قیامت!

دکانیں لٹ گئیں۔ جلا کر بھسم کر دی گئیں۔ مکانات ملبے بن گئے۔ جن گلیوں میں بچوں کی چہکتی ہوئی آوازیں السلام علیکم اور نمسکار کی صدائیں گونج گونج کر

www.taemeernews.com

دلوں میں اتر جایا کرتی تھیں۔ خون سے رنگین ہو گئیں۔ جو لڑکیاں آبرو تھیں، جو عورتیں عزّت تھیں جو بوڑھیاں قابلِ احترام تھیں گھسیٹ گھسیٹ کر گھروں سے نکالی گئیں ——— ! ساڑھیوں اور دوپٹوں کی دھجّیاں اُڑ گئیں اور دردناک چیخوں سے آسمان میں شگاف پڑ گئے۔ شجو میاں اس ہنگامے اور قیامت میں اپنے آپ کو بچانے کے بجائے چیختے پھر رہے تھے

"ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ اپنا ہی خون بہا رہے ہو بدبختو۔ اپنی ہی عزّت سے کھیل رہے ہو، اپنے ہی گھر پھونک رہے ہو۔ کیا ہو گیا ہے سب کو۔ کس نے آگ لگا دی میری جنّت میں۔ ارے کوئی میری آنکھیں پھوڑ دو، میرے جسم کو لہو لہان کر دو۔ مجھے زمین پر پچھاڑ کر ذبح کر دو میں یہ دیکھ نہ سکوں۔۔۔۔۔۔"

کسی نے ان کی نہ سنی۔

گھر جلتے رہے، خون بہتا رہا، چیخیں گونجتی رہیں، گوری گوری سینہ پیٹتی رہیں

"ارے شجّو۔ اللہ رسول کے واسطے آجا۔ شہیدانِ کربلا کے واسطے آجا۔ اپنی جان کی فکر کر"

شجو میاں نہیں آئے۔ دیوانوں کی طرح چلّاتے گھومتے رہے۔ بیاس زمانے میں باہر تھی۔ آگ جب سرد ہو گئی تب وہاں جانا ہوا

خدایا! کتنی بدلی ہوئی تھی فضا۔

بستی کسی بیوہ کی طرح اداس اور اجاڑ تھی ———!

ہاں سچ مچ! بیوہ ہی تو ہو گئی تھی وہ۔ سُہاگ اُجڑ گیا تھا اس کا ——!

ماتھے سے افشاں اور مانگ سے سیندور مٹ چکا تھا۔ میں سیدھی شجّو میاں کے گھر پہونچی۔

www.taemeernews.com

ڈیوڑھی ویران تھی۔ ذہن میں ایک مصرعہ گونجا۔

"حضور کے درِ دولت پہ خاک اڑتی ہے"

دل خون ہو گیا۔ آنکھوں نے اس ویران چوکھٹ پر آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا۔

اندر پہونچی۔

آنگن سنسان تھا۔

نیم کے درخت کے پاس ستجّو میاں کا مخصوص پلنگ تو اب بھی پڑا تھا مگر وہ گھٹنوں سے پائنچے سرکائے مسکراتے ہوئے کسی تازہ زخم کو سہلاتے نظر نہیں آرہے تھے۔ گوری چچی نماز کی چوکی پر بیٹھی تسبیح کے دانے گن رہی تھیں۔ انگلیاں دانوں پر تھیں اور نگاہیں خلا میں بھٹک رہی تھیں جیسے کچھ تلاش کر رہی ہوں۔

میں نے کچھ کہنا چاہا کہہ نہ سکی حلق جیسے کسی نے دبوچ لی۔ چپ چاپ گوری چچی کے پاس جا بیٹھی۔ گوری چچی نے میری طرف دیکھا۔

کیسی نرم نرم نگاہ تھی جیسے ستجّو میاں دیکھ رہے ہوں۔ تسبیح چوم کر جانماز میں رکھ دی میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں۔

"اچھی تو رہیں بیٹی!"

ہائے کیسی میٹھی میٹھی بولی جیسے ستجّو میاں بول رہے ہوں

"گوری چچی۔ ستجّو بھائی!" میری آواز آنسوؤں سے رُندھ گئی۔

وہ عجیب انداز میں مسکرائیں۔ (ستجّو میاں ایسے ہی تو مسکراتے تھے)

"میرا ستجّو اپنی کھوئی ہوئی جنت تلاش کرنے گیا ہے بی بی۔ اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہوں چپ چاپ۔ بولتی نہیں کہیں میری آواز میں میرے بچے کی دھنک دب نہ جائے کان دروازے پر لگائے ہوں۔ کب میرا لال آئے مجھے دھیرے سے پکارے نرم نرم دل میں اتر جانے والی آواز سے!

www.taemeernews.com

اماں ! ڈرتا ڈرتا آئے اور چپکے سے اپنے پلنگ پر جا بیٹھے۔ کہیں دیر سے آنے پر میں ڈانٹنے نہ لگوں۔ ہاتھ پاؤں کی چوٹ چھپانے کے لئے جلدی سے کمرے میں جاکر چادر اوڑھ کے سوتا بن جائے۔۔۔"

وہ کہتے کہتے رکیں۔ ایک بار خلا میں کچھ دیکھا۔ دروازے کی جانب نظر ڈالی پھر بولیں۔ دھیمی دھیمی آواز میں شجو میاں کے نرم نرم لہجے میں

"میرا شجو تو چلاتا پھر رہا تھا بیٹی۔ بند کردو یہ درندگی۔ خدا کیلئے اپنے بھگوان کے لئے مجھے دیکھو مجھے پہچانو میں شجو ہوں۔ تم سب کا شجو کیا آج تم لوگ میری بات نہیں مانو گے۔ کسی نے نہیں سنی اُس کی۔ پھر ایسا ہُوا بی بی۔ حکم چند کی لڑکی کو کچھ غنڈوں نے کھینچ کر گھر سے نکالا۔ وہ چلائی۔ بھیّا! مجھے بچاؤ!" میرا شجو دیوانہ وار دوڑ پڑا۔ اس نے اپنی بہن کو ان غنڈوں کے نرغے سے نکالنا چاہا۔ ان لوگوں نے کہا۔ شجو میاں ہٹ جاؤ اس وقت ہم تمہاری مروّت نہیں کریں گے۔ مگر وہ نہیں مانا اور پھر..... !!!"

گوری چچی نے تھوک نگل کر اپنی بھر آنے والی حلق صاف کی ایک بار دروازے کی طرف دیکھا اور بولیں۔

"پھر انھیں میں سے کسی نے میرے بچّے کو، میرے لال کو اسکے اپنے خون میں نہلا دیا۔ میرا چاند! اپنے ہی خون میں ایڑیاں رگڑتا رہا..... رگڑتا رہا..... ! رگڑتا رہا....."

"ان کی آواز مدھم ہوتی گئی" بالکل اس طرح بی بی جیسے کبھی میری گود میں پاؤں چلایا کرتا تھا۔"

گوری چچی نے پھر تسبیح سنبھال لی اور ابل آنے والے آنسوؤں کو روکنے کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ آنکھیں بند کئے کئے ایک بات اور بولیں۔

www.taemeernews.com

"میں۔ روتی نہیں ہوں۔ بالکل نہیں روتی۔ میرے بیٹے کو آنسو نہیں پسند تھے اس نے ہمیشہ سب کو ہنستے دیکھنا چاہا تھا۔ میں اس کے لئے ہمیشہ پتھر بنی رہی کبھی اس سے سیدھے منھ بات نہیں کی سو میں آج بھی پتھر ہوں لیکن اس پتھر کے اندر جو لہو اُبلتا ہے اسے کون دیکھے گا۔ اسے کون دیکھے گا۔"

نیم کے پیڑ پہ ایک کوّا پیاس سے ہانپتا ہوا آ بیٹھا اور اپنی سوکھی آواز میں کاؤں کاؤں کرنے لگا۔ مجھے ایسا لگا، خدا کی قسم بالکل ایسا لگا وہ اپنی درد بھری آواز میں پکار رہا ہو۔

کہاں ہو۔ کہاں ہو۔ کہاں ہو؟

شبّو میاں ہوت!

www.taemeernews.com

افسانہ

"کھول دو دروازہ"

"گندی لڑکی"

بیگم انوار نے ایک زوردار طمانچہ بے بی کے پھول سے داہنے رخسار پر مارا اور کرسی پر بیٹھ کر غصے کی شدت سے ہانپنے لگیں۔ بے بی کی بادامی آنکھوں میں برسات امنڈ آئی ـــــــ! وہ طمانچہ مارے ہوئے رخسار پر ہاتھ رکھے ماں کو تکتی ہوئی سسکیاں بھرنے لگی۔

"ہزار بار کہا اس غلیظ چھوکری کے ساتھ نہ کھیلا کرو مانتی ہی نہیں!" بیگم انوار نے اپنے مونث ایسے دانت پیسے۔ ابھی ابھی نہلایا کپڑے بدلے بال بنائے تھے آنکھ بچی اور پہونچ گئی وہاں ..... خدا معلوم اس گندی اور بدبودار کوٹھری میں اس سے سانس کیسے لی جاتی ہے۔ چھی۔ توبہ ....." انھوں نے اس غصے کے عالم میں ابکائی بھی لے لی اور نیچے گلے کے خوبصورت بلاؤز کے اندر سے ننھا سا معطر رومال نکال کر اپنی ستواں ناک پر رکھ لیا جیسے اس غلیظ کوٹھری کے تصور ہی سے ان کو بدبو آنے لگی ہو۔

نفاست پسند، اونچے دماغ، اعلیٰ خیالات اور نازک طبع بیگم کی اکلوتی بیٹی سات سالہ بے بی ان سے خطرناک حد تک مختلف تھی۔

آس پاس کے بنگلوں کے خوبصورت صاف ستھرے بچوں کی سنگت سے زیادہ

www.taemeernews.com

اس کو اپنے خانساماں کی لڑکی منّی کی صحبت پسند تھی۔ سرسبز حسین لان کے بجائے وہ منّی کی نیچی میلی نیم تاریک کوٹھری کے سامنے کوئی ہتھیلی بھر کے زمین کے ٹکڑے پر ٹاٹ کے بوروں کے اوپر چیتھڑوں سے بنی گڈے گڑیاں کھیلا کرتی تھی اینٹوں کا گھیرا بنا کر ڈالڈا کے ڈبوں کے پھینکے ہوئے ڈھکن اور فاسفومین کی بوتلوں کے برتن بنا کر گھر گھر کھیلنے میں مگن رہا کرتی تھی۔

کتنے قیمتی کھلونے جمع کر رکھے تھے بیگم انوار نے۔ کیسی دلچسپ چیزیں تلاش کر کے لاتی تھیں بے بی کی خاطر۔ ایک چھوٹا سا کمرہ انھوں نے سجا رکھا تھا۔ مگر یہ پاگل لڑکی اس کمرے میں ایک منٹ نہ ٹھہرتی، ان کھلونوں سے اکتا جاتی اور جہاں ماں کی آنکھ بچی نکل بھاگی۔ کہاں؟ وہیں منی کی کوٹھری میں۔

عاجز آگئی تھیں بیگم انوار سمجھاتے سمجھاتے بہلاتے پھسلاتے وہ نہ مانی تو۔ اب انھوں نے بے بی کی پٹائی بھی شروع کر دی تھی۔ اگرچہ بعد میں گھنٹوں انکا دل مسلا کرتا۔ سوئی ہوئی بے بی کو وہ لگاتار پیار کرتے اور سینے سے لگاتے نہ تھکتیں مگر، مجبور تھیں وہ سختی کرنے پر۔ ان کے خیال میں بے بی کی صحبت خراب ہو رہی تھی۔ کتنی ہی بار انھوں نے خانساماں کو ڈانٹا تھا کہ وہ اپنی لڑکی پر بھی سختی کرے آخر اس کا اور بے بی کا کون سا جوڑ تھا۔ ہاں اور کیا

"خاک کو آسماں سے کیا نسبت"

خانساماں بھی یہ سمجھتا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتا۔ منّی کو سمجھایا، ڈرایا ایک بار مارا بھی مگر نہ وہ باز آئی نہ بے بی۔ بیگم انوار کا خون کھول جاتا جب ان کو معلوم ہوتا بے بی پھر منّی کے پاس پہونچ گئی ہے۔ وہ طوفان کی طرح جاتیں۔ اینٹوں کے گھروندوں کو لات مار مار کر گرا دیتیں۔ ڈھکن اور بوتلیں دور اچھال دیتیں۔ گندی چکنی گڑیوں کو نوچ پھینکتیں اور ڈری سہمی منّی کا کان مروڑ کر

www.taemeernews.com

دُور ڈھکیلنے کے بعد بے بی کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی بنگلے میں لاتیں غصّے سے پھنکارتیں۔ دانت پیستی اس کے کپڑے اتارتیں اور ٹب میں بٹھا کر اس کو یوں نہلاتیں جیسے کھرچے ڈال رہی ہوں۔ پھر، ڈھیر سا پاؤڈر اس کے بدن پر چھڑک کر گویا اس کے کومل تن سے چپکی منّی کی بدبو دُور کرتیں۔ پھر، ہیرل کریم لگا کر اس کے بال سنوارتیں اور ہزار بار سونگھ سونگھ کر یہ تسلّی کرتیں کہ کڑوے تیل میں لسالس منّی کے بالوں کی مہک تو باقی نہیں رہ گئی ہے۔ پھر غصّے کے ابال کو کم کر کے وہ بے بی کو بڑے بڑے لکچر پلاتیں۔ بے بی وعدہ کرتی۔

"اچھا مّما۔ اب میں منّی کے ساتھ نہیں کھیلوں گی"

"نہیں کھیلو گی نا؟ بیگم انوار پر اب پیار کا دورہ پڑتا۔ بے بی کو گود میں بٹھا کر اس کے بال اور سُرخ سرخ ٹماٹر سے گال باری باری چومتی ہوئی کہتیں۔

"اس میلی گندی لڑکی کے ساتھ کھیلتے ہوئے تم کو گھن نہیں آتی بے بی؟"

"پہلے آتی تھی مّما!" بے بی معصومیت سے کہتی۔

"اور اب نہیں آتی؟"

"مّما مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ جب میں دوسرے بچوں کے ساتھ لان پر کھیلتی ہوں تو وہ آنکھوں میں آنسو لئے ہمیں دیکھا کرتی ہے"

"دیکھا کرتی ہوگی۔ بیگم انوار منہ بنا کر کہتیں۔

اس کے ساتھ بھلا کون کھیلنا پسند کریگا۔ کتنی گندی رہتی ہے وہ!"

"مّما اگر اسکی ماں ہوتی تو اس کو صاف رکھتی"

"چھوڑو یہ گندے لوگ کبھی صاف رہ سکتے ہیں اس کی ماں بھی اتنی ہی گندی رہا کرتی تھی"

پھر وہ موضوع بدل کر بنٹی، سانو اور ہیا کی باتیں کرنے لگتی تھیں۔ یہ سب صاف ستھرے

www.taemeernews.com

اور اونچے طبقے کے بچے تھے بے بی اگر ان کی صحبت میں رہے تو کیا کہنے میں رہے تو کیا کہنے مگر یہ بے بی۔ ہائے جانے کس کو پڑ گئی تھی۔ وعدہ کرتی اور بھول جاتی۔ اسکول سے واپس آئی جلدی جلدی دودھ پیا۔ منھ بنا بنا کر پھل کھائے بے زاری سے میرے ٹوٹنگے اور آنکھ بچی نہیں کہ غائب۔

انوار صاحب کہتے۔

"اتنی سختی نہ کرو بیگم۔ سمجھدار ہوگی تو خود ہی منّی کے پاس جانا اور اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کریگی!"

بیگم پھاڑ کھانے کو دوڑتیں۔

"واہ واہ! اچھی کہی۔ ابھی اس کی سمجھ کچی ہے جو بات دماغ میں جم گئی سو جم گئی۔ ابھی اسے سمجھانا ہی ٹھیک ہے۔ انوار صاحب سنکے چپ ہو رہتے اور وہ دیر تک کھول کھول کر بڑبڑاتی رہتیں۔ کئی بار تو ان کے جی میں آیا خانساماں کو نکال باہر کریں نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ لیکن یہ خیال روکے رہا کہ اس جیسا ایماندار اور محنتی اور لذیز کھانا پکانے والا آدمی ملنا مشکل ہی نہیں محال ہے۔ کئی سال سے وہ بیگم کے ساتھ تھا جتنی تنخواہ شروع میں لیتا تھا وہی لے رہا تھا نہ کوئی نخرہ تھا نہ فرمائش تھی۔ ان کے وسیع و عریض کمپاؤنڈ کے ایک کونے میں پڑا تھا۔ چھ بجے صبح سے لیکر رات کے ۱۱ بجے تک کام کرنا نہ صرف کھانا پکانا، انوار صاحب کے جوتوں پر پالش کرنا۔ ان کے کپڑے دھوکر پریس کرنا سودا سلف لانا۔ چپراسی دیر سویر سے آئے تو بے بی کو اسکول پہونچانا اور واپس لانا۔ یہ سب کام دوسرا کوئی خانساماں کب کر سکتا تھا۔ بیگم کی اجازت لے کر وہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے گاؤں سے اپنی عورت کو بھی لے آیا تھا جس کی گود میں دو برس کی کالی کلوٹی طوطی سی بچی بھی تھی، یہ بچی شروع میں جتنی بے ضرر تھی اتنی ہی اب خطرناک ثابت ہو رہی تھی۔ دو سال پہلے اس کی ماں چیچک میں

www.taemeernews.com

مبتلا ہو کر مر گئی تھی۔ اور تب ہی سے بے بی اس بے ماں کی لڑکی سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی۔ بیگم انوار نے کھا جانے والی نظروں سے سسکتی ہوئی بے بی کو دیکھا۔ آج انھوں نے اپنی کچھ فرینڈز کو چائے پر بلایا تھا۔ اور بے بی کو بڑی محنت سے تیار کر کے خود بھی تیار ہو گئی تھیں۔ جب تک وہ ڈائننگ روم میں جا کر ناشتے وغیرہ کا سامان ٹھیک کرتی رہیں بے بی صاحبہ اُس گندی لڑکی کے ساتھ زمین پر کوئلے سے لکیریں کھینچ کر اکلا دکلا کھیلتی رہیں۔ تلاش کرنے پر ملیں۔ اس عالم میں کہ، فراک گندا۔ بال الجھے، ناک میں کوئلہ کی سیاہی اور ہاتھوں پیروں میں مٹی کی پرت!

"ہائے ہائے پھر وہی گندی لڑکی اور تو" تعلیم یافتہ فیشن ایبل اور بے حد روشن خیال بیگم نے خالص دیہاتی اور گھریلو عورتوں کی طرح سینے پر دوہتھڑ مارا۔

"ارے بے بی کسی دن میں تیرا گلا نہ دبا دوں!" انھوں نے دانت بھی کٹکٹائے بے بی کو مار کر بک جھک کر اور ہانپ ہانپ کر جب وہ تھک گئیں تو سر پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگیں کیا ترکیب کی جائے کہ منی اور بے بی کا ساتھ چھوٹ جائے۔ بڑی دیر کے بعد وہ غوطے سے اُبھریں تو یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئیں کہ بے بی غائب تھی۔ جس طرح اُدھ کچلی ناگن بل کھاتی ہے بالکل اسی طرح بیگم اٹھیں اور باہر آ کر سیدھی خانساماں کی کوٹھری کی طرف چلیں۔ ان کی مٹھیاں بھنچی تھیں اور آنکھوں سے خون سا ابل رہا تھا۔ اپنی بیش قیمت ساڑھی کے خوبصورت بھاری بوڈر کے گندے ہو جانے کی پرواہ کئے بغیر وہ تیز تیز چلتی ہوئی خانساماں کی کوٹھری تک آئیں۔ اندر سے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ سسکیاں، ہچکیاں — اور شکوہ آمیز انداز۔

"سنوں تو سہی یہ منّی کی بچّی بے بی کو کون سا سبق پڑھاتی ہے" دانت

www.taemeernews.com

پیس کر انھوں نے زیر لب کہا۔ اور اپنی شعلہ بار آنکھیں بند دروازے کی چوڑی سی جھری سے لگا دیں

اندر چھوٹا سا لیمپ دیوار کی کیل میں لٹکا محدود روشنی بکھیر رہا تھا اور اس روشنی کے گھیرے میں زمین پر ایک ٹاٹ کا ٹکڑا ڈالے دونوں پاؤں پھیلائے ہوئے منی بیٹھی تھی انھوں نے بڑی کوشش کی مگر بے بی نظر نہیں آئی وہ شاید اس وقت وہاں نہیں تھی۔ بیگم نے واپس پلٹنا چاہا لیکن ان کے قدم زمین پر جم سے گئے تھے۔ منی کے ہاتھوں میں ایک بڑی سی، بھیانک سی، میلی سی گڑیا دبی ہوئی تھی وہ اس گڑیا کا آنچل سنوارتی ہوئی باتیں کئے جا رہی تھی۔

"اماں۔ تم ہمکا چھوڑ کے چلی گئیو...... ابا کا کام سے پھُرست ناہیں۔ بلت ہے۔ بے بی کہت ہے تما اِی بات پر کھپا ہوت ہیں کہ ہم گندے رہت ہیں۔ ہمرے بالن ما جُوں پڑے ہیں ہمرا کوئی منھ ہات ناہیں دھلات ہے، کے اماں تو بتاؤ تو ہو آں ہمرے لئے کر ڈھت ناہیں ہو ایں بولو..... کر ڈھت ناہیں ہو ہم تو ہیاں تمھرے لئے بہت رووت ہیں!"

بیگم دم بخود تھیں اور منی سسک سسک کر، رو رو کر گڑیا سے باتیں کئے جا رہی تھی۔

"تم ہمکا نہلاوت دھلاوت رہیو اماں۔ کنگھی کا جل کرت رہو۔ ہمرے کپڑے چھانٹت رہو اَب اِی سب کون کرے۔ بیگم صاب ہمکا گندی لڑکی کہت ہیں یہی کارن بے بی کا ہمرے ساتھ کھیلن کا روکت ہیں۔ اب جو بے بی ہمرے ساتھ نہ کھیلئیں نہ بولہیں تو تم ہی بتاؤ ہم کیکا ساتھ ڈھونڈھیئے؟"

وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

بیگم چند لمحوں تک تو ساکت کھڑی رہیں پھر ان کے ہاتھ اٹھے اور دروازہ

www.taemeernews.com

کھل گیا۔ انھوں نے خود کو کوٹھری کے اندر پایا وہ بے بی کی طرح اپنے آپ کو ڈانٹ نہ سکیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو اس کوٹھری میں پایا جس میں سانس لینے کے لئے وہ بے بی کو منع کرتی تھیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو منّی کے اس قدر نزدیک اس قدر قریب پایا کہ اس کے جسم سے اٹھتی بھبھک اور بالوں کی چکٹی بدبو کو اپنے دل و دماغ میں اترتے محسوس کیا پھر بھی اپنے گریبان سے معطر رومال نہیں نکالا ــــــ

منی ان کو اپنے سامنے پاکر ششدر رہ گئی۔

خوف زدہ۔ حیران۔ ساکت۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کو دیکھتی ہوئی۔

اس کے بے جان ہاتھوں سے گڑیا چھوٹ کر ٹاٹ پر گر پڑی۔

"گندی لڑکی"۔ بیگم نے اپنے صاف و شفاف نرم و گداز بازو بڑھائے۔ ان کے لہجے میں شہد کا سونا پھوٹ رہا تھا

"گندی لڑکی"۔ دوبارہ انھوں نے کہا۔ آ میرے ساتھ۔ میں نہلاؤں گی تجھے۔ بال بھی بناؤں گی"۔

منّی منھ کھولے ان کو تکتی ہی رہی تو وہ بڑھیں اور اس کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

www.taemeernews.com

افسانہ

کانٹوں سے محبت کر لو

وہ بہت تھک گئی تھی۔

مگر کہتی بھی کس سے۔ رات کے ۱۲ بج چکے تھے۔ دونوں بچے سو چکے تھے۔ اور وہ بھی ایسے غافل سو رہے تھے کہ بس! اکیلی وہ گھر بھر میں پھیلا ہوا سامان اپنی اپنی جگہ پر رکھتی پھر رہی تھی۔ ابھی ابھی چائے کی ساری جھوٹی پیالیاں پرچیں اور ناشتے کی پلیٹیں دھو کر اٹھی تھی۔ گلاس اور جگ سمیٹ کے رکھے تھے۔ ساری چادریں جھاڑ کے تہہ کی تھیں۔ گلدان اور دوسرا سجاوٹ کا سامان اپنی اپنی مخصوص جگہ پر رکھا تھا۔ میزیں اور کرسیاں بہ قرینے سے لگائی تھیں۔ کھانے کے برتن اور کچن کا کھڑاگ جو سمیٹا تھا وہ الگ!

اس کو غصّہ آنے لگا ــــ کمبخت آخر کس کا سمیٹے کون! لاکھ کوشش کے باوجود وہ ابھی تک تین سال گزر جانے کے بعد بھی اپنے سوتیلے بچوں کے لئے اپنے دل میں جگہ بنا نہیں پائی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اپنی عقلمندی یا چالاکی سے اپنے اوپر محبت اور شفقت کی ایک تہ ضرور چڑھا رکھی تھی۔ اس کی یہ محبت بچوں کے باپ کے سامنے ساون کے بادلوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر برستی تھی اور وہ، یعنی اس کے شوہر عبادت صاحب، بچوں کے باپ سکنڈ ہینڈ شوہر، پھولے نہ سماتے اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔ سوتیلی ماں کا ہوّا اب پوری طرح ان کے

www.taemeernews.com

دل سے نکل بھاگا تھا۔ وہ بڑے مطمئن تھے۔ پانچ سال کی لڑکی لالی اور آٹھ سال کا لڑکا بلّو۔ دونوں اپنی دلھن امّی پر فریفتہ تھے۔ اپنی حقیقی ماں کو بھلا چکے تھے۔ محلے والے نسرین کے گن گاتے نہ تھکتے تھے، خاندان والے عش عش کر اُٹھتے اور تو اور عبادت صاحب کی پہلی بیوی کی ماں اور بہنیں یعنی سابقہ ساس اور سالیاں بھی نسرین سے ٹوٹ کر ملتیں۔ ماں کہتیں۔

"اللہ نے میری عشو کو نسرین کی صورت میں واپس کر دیا میرے معصوم بچوں کو ان کی ماں دوبارہ مل گئی"

نسرین سوچتی کیا وہ بھی خوش ہے؟ اپنی اس زندگی سے مطمئن ہے؟ اگر ہے تو دل میں رہ رہ کر کھٹک اٹھنے والی یہ پھانس کیسی ہے؟ ان دونوں بچوں کی صورت دیکھ کر اس کو عجیب سی بیزاری کا احساس کیوں ہوتا ہے؟ اور جب عبادت اس کے نزدیک آتے ہیں تو ایسا کیوں لگتا ہے کہ کسی کا اگلا ہوا نوالہ اس نے اپنے منھ میں رکھ لیا ہو۔ یہ گھٹن، یہ چبھن یہ کراہیت کیسی؟

پچیس سال کی خوبصورت اور تندرست نسرین ــــ! غریب ماں باپ کی لڑکی۔ اٹھارہ سال کے بعد ماں باپ کے لئے بوجھ بن گئی تھی وہ ــــ بیس سال میں ماں باپ کی آنکھوں سے نیندیں اڑ گئی تھیں۔ بائیسویں سال کے لگتے ہی ماں نے اس کی جوانی کو کوسنا اور باپ نے ہائے ہائے کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک روز اس نے سوچا دروازے کے پاس والے کنوئیں میں کود کر ماں باپ کا بوجھ ہلکا کر دے چپکے سے جھانکا تو کنوئیں کی تاریکی اور گہرائی دیکھ کر جی ہَول گیا۔ چوروں کی طرح گھر میں واپس آئی تو برسوں کے بعد آنگن میں ایک خوش گوار ہل چل کا احساس ہوا۔ ماں نے میری بچی کہہ کر گلے لگایا اور باپ نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ حیرت میں پڑ گئی۔ لیکن اس کی حیرت زیادہ دیر تک نہ رہ سکی۔ چھوٹے بھائی

www.taemeernews.com

نے ہنس کے بتایا۔

"بجّو! تمھاری نسبت آئی ہے۔ بڑے اچھے آدمی ہیں عبادت صاحب! جی بھر کے کھاؤ گی پہنو گی۔ ذاتی مکان ہے۔ سنا ہے اچھا خاصا روپیہ بھی بینک میں جمع ہے ....."

وہ خواب جیسی کیفیت میں سن رہی تھی۔

"مگر ایک بات ہے!"

اس کا رُواں رُواں کان بن گیا۔

"یہ ان کی دوسری شادی ہوگی!"

بجلی سی گری اس کے اوپر۔

دوسری شادی !!!

"پہلی بیوی سال بھر ہوا کسی بڑی بیماری میں جاتی رہیں۔ دو بچے ہیں ان کی خاطر شادی کر رہے ہیں!"

اس نے چاہا رنگین سپنوں میں کھو جائے نہ کھو سکی۔ کیسی جان لیوا تھی یہ خلش کہ وہ دلھن بن کر نہیں دو بچوں کی ماں بن کر جا رہی ہے۔ ان بچوں کی ماں جو اس کی کوکھ سے نہیں ایک ایسی عورت کی کوکھ سے پیدا ہوئے تھے جو اس کے ہونے والے شوہر کو ہر طرح بھگت چکی تھی وہ ایک ایک برتن اور ایک ایک چیز جوڑ کر گرہستی نہیں بنا سکتی کسی دوسرے کی جمی جمائی گرہستی سنبھالنے جا رہی ہے کسی کا جھوٹا نوالہ کھانے جا رہی ہے۔

گھر میں چھوٹا موٹا ہنگامہ برپا رہتا۔ محلے کی لڑکیاں ڈھولک پر سہاگ کے گیت گاتیں۔ سکھیاں اس کو چھیڑتیں۔ عمر ڈھلی کنواریاں اس کی قسمت پر رشک کرتیں مگر وہ، اپنے آپ کو خوش نہ کر پاتی — یہ اور بات تھی اس نے زبردستی ہنسی

www.taemeernews.com

اور شمیلی مسرّت کی ایک پرت اپنے اوپر چڑھالی تھی۔ اماں ابا کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اس نے اپنے کنوارے ارمانوں کا چڑھاوا چڑھا دیا تھا اور ایک روز رِدِ داع ہوکر اپنے نئے گھر آگئی تھی۔ عبادت نے نہ کوئی جہیز لیا تھا نہ کسی قسم کی مانگ کی تھی۔ ان کا یہ ایثار نسرین کو ان کی عزّت کرنے پر مجبور کر دیتا۔ دولہا جو تھے تو کیا ہوا۔ اب بھی وہ بہت کچھ مانگ سکتے تھے اور غرض ماں باپ ان کی مانگ کو ہر حال میں پورا کر دیتے ——— !

یوں بھی وہ ایک مکمل انسان تھے نسرین کو ان تین برسوں میں ایک بار بھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے اس کو باہر گھمانے پھرانے بھی لے جاتے۔ اس کی ہر خواہش کو خندہ پیشانی سے پورا کرتے مگر...... اس کی دل جوئی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے دونوں بچوں کو بھی ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا لالی کی ضد پر وہ اس کے بستر پر لیٹ جاتے اور اس کو تھپکیاں دیتے دیتے لوریاں سناتے سناتے خود بھی سو جاتے۔ کبھی یہ ہوتا بلّو سوتے میں ڈرتا اور امّی امّی چلّا اٹھتا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھتے اور نسرین کی گھنیری زلفوں کو اپنے کندھوں سے جھٹک کر بلّو کے پاس پہونچ جاتے۔ اس کو سینے سے چمٹا کر لیٹ جاتے اور اسی طرح صبح کر دیتے ——— نسرین اس حصّے بخرے سے بد دل ہو جاتی۔ دل کی پھانس اس زور سے کھٹکتی کہ اپنے اوپر اس کو قابو پانا مشکل ہو جاتا، پھر بھی اپنے کو سنبھالتی اور مسکراتی۔ بچوں کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتی دھلاتی۔ کپڑے پہناتی، بال سنوارتی کاجل لگاتی۔ جوتے پہناتی کھانا کھلاتی مگر یوں، جیسے کوئی لاٹھی سے ہانک رہا ہو ——— کوشش کے باوجود اس کے سینے میں ممتا کا ابال نہ آتا۔ کسی وقت بے اختیار ہمک کر بچوں کو باہوں میں بھر لینے کا جذبہ نہ ابھرتا ——— ! آج بھی کچھ دیر پہلے لالی سُرخ فراک

www.taemeernews.com

پہنے (جو اس نے بڑی محنت سے سی تھی) سرخ موزوں (جو اس نے رات بھر جاگ کر بنے تھے) سرخ جوتوں اور سفید سوئٹر میں (یہ سوئٹر بھی اسی نے بنا تھا) اتنی پیاری گڑیا سی لگ رہی تھی کہ جو بھی دیکھتا اس کو گود میں اٹھا لیتا۔ پر نسرین کے دل میں ذرا بھی ہوک نہ اٹھی تھی۔ اس نے لالی کو سنوارا تھا۔ اس کے گھنے گھنگریالے بالوں میں ربن باندھا تھا۔ بادامی آنکھوں میں کاجل اور ماتھے پر ننھا سا نظر بٹو بھی لگایا تھا جوتے موزے بھی خود پہنائے تھے۔ عبادت صاحب کہہ رہے تھے۔

"لال سوئٹر پہناؤ!" اس نے کہا۔

"نہیں میری منی کو نظر لگ جائیگی ایک چیز سفید رہنے دیجئے!"

اور عبادت صاحب نے ہنس کر لالی کا منہ چوم لیا تھا۔ وہ ظالم پھانس پھر اس کے دل میں زور سے کھٹکی تھی۔ اس چبھن سے ڈر کر وہ بہانے سے دوسری طرف چلی گئی تھی۔ کیک کاٹا گیا، تالیاں بجیں ننھے منے چھوٹے بڑے اَن گنت تحفے آئے۔ عبادت صاحب نے بڑی سی گڑیا دی۔ لالی ناچ اٹھی تھی اس کے آدھے قد کی گڑیا تھی اسی جیسی بھورے سرخ گالوں اور گھنے گھنے بالوں والی۔ اس نے گڑیا کو گلے سے چمٹا کر کہا۔

"دھن امی! آپ نے ہمیں کچھ نہیں دیا!"

"دھن امی نے تجھے بہت کچھ دیا ہے بیٹی۔ بہت کچھ آج تیری ماں ہوتی تو وہ بھی اتنا نہ دے پاتی" عبادت صاحب بولے تھے اور نسرین اپنے وجود میں ایک تلخ لہر لیکر مہمانوں کی بھیڑ میں گم ہو گئی تھی

لوگ اس کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے ـــــ اس کی تعریفیں کر رہے تھے یہ سب اس کو اوپری اوپری سا لگ رہا تھا دل کی گہرائیوں میں تلخیاں اور گھٹن چھپی ہوئی تھی ـــــ بہرحال، تقریب بڑے اچھے ڈھنگ سے نپٹ گئی تھی۔

www.taemeernews.com

عبادت صاحب تھک کے لیٹے تو فوراً خرّاٹے بھرنے لگے۔ بلّو اور لالی کچھ دیر تحفے کھول کھول کر دیکھتے اور خوش ہوتے رہے پھر وہ دونوں بھی سو گئے۔ سونے سے پہلے لالی نے پکارا تھا۔

"وطن امّی آیئے۔ میلے پاچھ لیٹیئے!"

نسرین نے لاپرواہی سے جواب دیا تھا۔

"تم سونے کی کوشش کرو، میں ابھی آتی ہوں!"

"پاپا بھی چھو گئے ہمیں ڈل لگتا ہے!" بھیّا بھیّا آؤ تم میرے پاچھ لیٹ جاؤ!" اس نے بڑی خوشامد سے کہا تھا۔ مگر بلّو تصویروں والا خوبصورت کلینڈر دیکھنے میں مگن تھا اس نے انکار کر دیا۔

نسرین کسی کام سے کمرے میں آئی تو یہ دیکھ کر اس کو جانے کیوں بڑی خوشی محسوس ہوئی کہ اتنے عرصہ میں شاید پہلی بار عبادت صاحب لالی سے بے خبر ہو کر سوئے ہوئے تھے اور لالی ننھی ننھی سسکیاں بھر رہی تھی۔

"کیوں رو رہی ہو؟" نسرین نے دبی آواز میں گھُرکا۔

"ہمیں ڈل لگ لہا ہے وطن امی!" لال لال رخساروں پہ آنسو بری طرح بہہ رہے تھے اور ننھی سی ناک پھولی پچک رہی تھی۔

"کیسا ڈر؟" نسرین نے بھنویں ٹیڑھی کر کے کہا۔ بھیا پاس لیٹا ہے۔ پاپا لیٹے ہیں۔ اتنی تیز روشنی ہو رہی ہے۔ سو جاؤ چپ چاپ صبح اسکول کیلئے جلدی اٹھنا ہے!"

اتنا کہہ کر وہ باہر آ گئی تھی اور اپنے کام میں لگ گئی تھی۔ اس نے سنا بلّو لالی کو پچکار رہا تھا۔

"نہ رو لالی۔ نہ رو ..... مگر وہ .... بھنچی بھنچی آواز میں روئے

www.taemeernews.com

چلی جارہی تھی۔

"کمبخت ! باپ کو نخرے دکھا رہی ہے۔ مرجاتی کسی طرح !" نسرین بڑبڑائی۔
پھر ایک خوشی اور آسودگی کی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ عبادت کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ خدا جانے کتنی گہری نیند سو رہے تھے ورنہ ان کی نیند تو بڑے کھٹکے کی تھی لالی یا بلّو زور سے سانس بھی لیتے تو وہ اُٹھ کے بیٹھ جاتے، بتی جلاتے بار بار دونوں بچوں کو دیکھتے ان کے سر ہلاتے، ماتھے چومتے، تک بے تک پڑ جانے والے ہاتھ پاؤں درست کرتے اور وہ، یعنی نسرین یہ لاڈ پیار دیکھ دیکھ کر دل میں بھسم ہُوا کرتی۔ جب عبادت بتی بند کرکے اس کے آس پاس آکے لیٹتے تب وہ گہری نیند کا بہانہ کرکے ان کی طرف سے کروٹ بدل لیتی۔ دو ایک بار ہولے ہولے اس کو پکار کے عبادت بھی سو جاتے۔ اور وہ، دیر تک انگاروں پر جُھلستی کانٹوں میں الجھتی سوچا کرتی۔

اللہ ! یہ دو کانٹے نہ دیے ہوتے تو نے تو زندگی کسقدر حسین ہوتی۔ مگر کرتی بھی کیا کیسے نکال پھینکتی ان کانٹوں ——— ! مجبوراً ان سے دوستی اور محبت کا سوانگ رچاتی زندگی گزار رہی تھی۔

ابھی اس کے اپنے گلشن میں دُور دُور تک بہار کا پتہ نہ تھا۔ وہ سوچتی... اس کا بچہ ہوگا تو عبادت کی محبت اور توجہ ضرور بٹا لے گا۔ محبت میں حصہ ضرور لگائے گا۔ اس نے عبادت سے پوشیدہ لیڈی ڈاکٹر کو دکھایا بھی تھا مشورہ بھی لیا تھا بہت سی دوائیں بھی استعمال کی تھیں مگر اللہ کو جانے کیا منظور تھا دامنِ مراد ہنوز خالی تھا۔

کوئی ایک ڈیڑھ بجے رات میں اس کو فرصت ملی ایک گلاس پانی پی کر آنگن کی بتی بند کرکے وہ کمرے میں آئی۔ دونوں بچوں سے نظریں بچاتے ہوئے بھی اس نے یہ دیکھ لیا لالی اور بلّو ایک بستر پر سو رہے تھے شاید بہن کی محبت میں بلّو اس کے پاس آگیا تھا نسرین آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر اپنا بڑا سا جوڑا کھولنے لگی۔ کلپ نکال کر رکھتے ہی اس کی

www.taemeernews.com

گھنیری سیاہ زلفیں کسی آبشار کی طرح اس کے شانوں اور رخساروں پر آ گریں ـــ!
آئینے میں اس کی صحت مند سرخ و سفید شبیہہ کسی شاہکار کی طرح جڑی ہوئی تھی۔
اُس نے اپنے سراپا پہ ایک فخریہ نظر ڈالی اور برش اٹھا کر بالوں پر پھیرنے لگی ــ پھر
اس نے ساڑھی اتاری اور کرسی کی پشت پر ڈال دی ـــــ اب اس کا بھرپور جشن
شباب سلیولس بلاؤز اور پیٹی کوٹ میں بری طرح نمایاں تھا، اُبھر رہا تھا، مچل رہا تھا۔
کون ہے جو اس سراپا پر قصیدے لکھے۔ جھوم جھوم کر ایک ایک انگ کی تعریف کرے
ان سرخ لبوں کے رس کے لئے بیقرار ہو جائے۔ ان گھنی سیاہ زلفوں کے سائے میں آنکھیں
موند کے دنیا جہان سے بیگانہ ہو جائے۔ ایک سرد سانس اس کے لبوں سے نکلی ـــ
جس کو قصیدے لکھنے چاہیئے تھے وہ بے خبر سو رہا تھا۔ خراٹوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔
اگر یہ دو ــ یہ دو کانٹے نہ ہوتے درمیان میں تو وہ بچوں کی طرح ایک چھلانگ لگاتی
اور عبادت پر جا گرتی۔ ان کو گدگداتی۔ ان کے بند ہونٹوں کو انگلی سے چھیڑتی اور کانوں
میں زور سے کوک دیتی۔ وہ جاگ اٹھتے۔ اس کی شوخی اور شرارت دیکھ کر خود بھی مسرت
اور زندگی کی بھرپور لہر سے کھل اُٹھتے ـ ـ ـ ـ!

مگر اُف! راہ کے یہ پتھر۔ یہ سنگریزے ـــــ! نسرین مرے مرے قدموں
سے اپنے بستر کی طرف بڑھی تھی کہ ٹھٹھک گئی۔ رک کے لالی کو دیکھنے لگی ــ! لالی اب
بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے داہنے رخسار پر اب بھی آنسوؤں کے نشان چمک رہے تھے۔
پلکیں اب بھی بھیگی ہوئی اور آپس میں چپکی ہوئی تھیں مگر اب وہ نیند میں مُسکرا
رہی تھی جیسے کوئی بڑا پیارا سا خواب دیکھ رہی ہو۔ وہ کروٹ سے لیٹی ہوئی تھی۔
دوسری طرف بلو لیٹا تھا۔ دونوں کے درمیان ایک فریم رکھا تھا۔ فوٹو فریم۔ کس کی فوٹو
یہ دیکھنے کے لئے نسرین جھکی۔ دھیرے سے اس نے لالی کا ہاتھ فریم پر سے کھسکایا ـ ـ ـ
پھر...... پھر..... اس کو بجلی جیسا جھٹکا لگا۔ بڑے زور کا ـــــــ!

www.taemeernews.com

جھنجھناہٹ جسم بھر میں ہوتی ہوئی دل کے تاروں کو جنبش دینے لگی اور.....
کہیں پر سویا ہوا دبکا ہوا ممتا کا جذبہ پھڑ پھڑا اُٹھا۔ مچل اٹھا۔

وہ فوٹو عبادت کی پہلی بیوی کا تھا۔ ان دونوں بچوں کی ماں کا۔ لالی اور بلّو جیتی جاگتی ماں کے بجائے منوں مٹی تلے دبی ہوئی ماں کے عکس کو سینے سے لگائے لیٹے تھے معصوم، محروم ـــــ پیار کے ترسے ہوئے بچے!

نسرین نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لالی کو اٹھایا اور اس کو اپنے چوڑے چکلے صاف و شفاف بے شکن بستر پر لٹا دیا۔ پھر بلّو کو اٹھایا اور اس کو عبادت کے پہلو میں لٹایا اور لالی کے پاس بیٹھتے ہوئے اس ننھی سی معصوم کلی کو اپنے گرم نرم گداز سینے سے لگا لیا۔

"دلھن امّی!" لالی نیند میں بڑبڑائی۔

"ہاں میری بچّی!" اس کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی میں تمہارے پاس لیٹی ہوں۔ پھر اس نے عبادت کو پکارا۔

"اجی سنئے تو۔ بلّو کو اپنے پاس کھسکا لیجئے۔ نیند میں ڈر نہ جائے....."

www.taemeernews.com

افسانہ

جلاتے چلو چراغ

دو بہنیں تھیں اور تین بھائی ــــ!
پورے پانچ تھے اللہ رکھے ــــ!
اور دو ماں باپ۔ سات افراد اور چھوٹا سا گھر اور نپی تلی آمدنی۔ پھر بھی ماں کی سلیقہ مندی اور کفائت کی وجہ سے گھر کا خرچ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ دو لڑکے بڑے تھے۔ دو ایک سال کے بعد اپنے پیروں پر کھڑے ہو جانے کی امید تھی۔ ایک ابھی چھوٹا تھا اور دونوں بہنیں بیچ کی تھیں۔ دونوں شادی کے قابل۔ ایک کا نام حور بانو تھا۔ دوسری کا نور بانو ــــ ماں نے یہ نام بڑے لاڈ و پیار اور چاؤ سے رکھے تھے۔ ہر ماں کے لئے اس کی اولاد چاند ہوا کرتی ہے چاہے وہ الٹا توا ہو، اسکی ہر کل ٹیڑھی ہو ماں کے لئے چندے آفتاب اور چندے ماہتاب ہوا کرتی ہے۔ ان دونوں کے لئے کچھ ایسا ہی تھا۔

دونوں کے لئے نہیں ایک کے لئے، بڑی حور بانو قطعی حور نہیں تھی۔ حور کے قدموں کے آس پاس بھی نہیں تھی۔ گہرا سانولا رنگ تھا، گول چہرہ تھا۔ گول مول سی ناک تھی جیسے چھوٹی سی گاجر۔ ذرا چھوٹی آنکھیں تھیں ذرا اس لئے کہ کچھ غنیمت تھیں مگر خوبصورت نہیں تھیں۔ بال بھورے اور ہلکا ہلکا خم لئے ہوئے تھے مگر شانوں

www.taemeernews.com

سے نیچے نہیں پہونچے تھے۔ اگرچہ اماں کوشش بہت کرتی تھیں کہ نگوڑی کے بال ذرا لمبے ہو جائیں۔ قد اوسط درجے کا تھا اور جسم چھریرا۔ اگر دیکھا جاتا تو ایسی بری نہیں تھی۔ مگر اس کی صورت کی غریبی کچھ تو اس نام سے بڑھ جاتی تھی یعنی حور بانو اور کچھ چھوٹی بہن نور بانو کے سامنے بڑھ جاتی تھی ــــ!

نور بانو، حقیقتاً نور بانو تھی۔ ایکدم جگمگاتی دمکتی ہوئی۔ گورا رنگ، بڑی بڑی روشن آنکھیں، کھڑی ناک، بے حد سیاہ گھنے اور کمر تک بل کھاتے بال۔ گٹھا گٹھا، کسا کسا جسم اور اس پہ لمبا قد ــــــ! اماں سے یہاں پر چوک ہو گئی تھی، انھوں نے اس کی باری میں واقعی چھانٹ کے نام رکھا تھا۔ رکھا تھا قافیہ بندی کے حساب سے یعنی حور بانو اور نور بانو تھیں وہ، خوبصورت نام اس خوبصورت ہستی پہ ایسا ایسا فٹ ہوا کہ اس کا نام سنتے ہی لوگ کہہ اٹھتے۔

"واہ۔ جتنا پیارا نام ہے اتنی ہی پیاری شخصیت ہے!"

اور یوں، حور بانو کی غریب صورت نور بانو کے سامنے اور دبتی چلی گئی۔ عمر کے ساتھ ساتھ نور بانو کا رنگ و روپ نکھرتا چلا گیا اور نکھرتا ہی جا رہا تھا۔ وہ حور بانو کے سامنے ایک زبردست خطرے کا نشان بنی کھڑی تھی۔ ایک دیوار بنی کھڑی تھی اس لئے کہ جو بھی حور بانو کو دیکھنا چاہتا نور بانو اس کی آڑ بن جاتی۔ نور بانو کے سامنے حور بانو یوں ماند پڑ جاتی جیسے کوئی چڑھتے ہوئے سورج کے سامنے پتلی سی حقیر سی شمع لگا دے۔

اب یہ عالم تھا اماں کا کہ راتوں کی نیند اور دن کا چین چکا تھا اور ابا جی کے چہرے کی جھریوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ اول تو شادی کے نام پہ ان کے ہاتھ میں کھوٹا سکہ بھی نہیں تھا دوسرے یہ کہ کوئی ٹوٹا مارا رشتہ آتا بھی تو حور بانو کے بجائے نور بانو پسند کر لی جاتی ــــ یہ ایک بار نہیں کئی بار

www.taemeernews.com

ہو چکا تھا۔ بھائیوں نے بڑی دوڑ دھوپ کر کے ایک آدھ رشتہ جوڑا لگا نٹھا بھی اور چاروں نے ٹیوشن پڑھا پڑھا کے جمع کی رقم سے اعلیٰ پیمانے پہ ناشتے اور کھانے انتظام کیا گھر کی لیپا پوتی کرائی۔ نخاس سے پرانا سامان لے لیکر نئے رنگ و روغن کے ساتھ سجایا اور لڑکے والوں کے سامنے بلکین بچھائیں تو بھی وہی ڈھاک کے تین پات ـــــ: نور بانو کے سامنے حور بانو کو کسی نے آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھا۔ اماں لاکھ اس کو سجائیں سنوارتیں، چمکانے کی کوشش کرتیں مگر اس میں ذرا بھی تبدیلی نہ آتی اور آتی بھی تو نور بانو کے سامنے ظاہر نہ ہو پاتی اور جب لڑکے والے یہ کہہ کر واپس جاتے۔

"یوں تو ہمیں بڑی لڑکی بھی بُری نہیں لگی لیکن پسند ہمیں آپکی چھوٹی لڑکی ہے"

اماں کا جی چاہتا اپنا سر پیٹ ڈالیں یا نور بانو کو پکڑ کے دھڑا دھڑ پیٹ ڈالیں۔ وہ دانت کچکچا کر نور بانو کو دیکھتیں اور سو جیتیں۔

ماں کالی لوکھٹ، باپ پھیکا شلجم مگر یہ جانے کہاں سے بھرپیٹ رنگ روغن لے آئی۔ ارے تھوڑا بہت بہن کے حصّہ میں بھی چھوڑ دیا ہوتا سارے کا سارا سمیٹ لیا بدذات نے ـــــ: ان کو اپنی دبی سہمی سمٹی سکڑی روکھی پھیکی حور بانو پہ ٹوٹ ٹوٹ کے پیار آتا۔ اے ہے اب اتنی بری نہیں ہے میری بچی۔ وہ کبھی کبھی کہتیں۔ ایک ذرا رنگ سلونا ہے۔ ایک ذرا ناک گول مول ہے۔ ایک ذرا پیشانی تنگ ہے ایک ذرا آنکھیں چھوٹی ہیں ایک ذرا قد دبتا ہوا ہے اور بدن سوکھا مارا ہے مگر پھر بھی بری نہیں ہے میری چندا۔ بوٹی چڑھ جائے بدن پر ذرا چکنائی آجائے پھر دیکھو کیا صورت نکالتی ہے"

اور جب بھی کوئی لڑکی کو دیکھنے کی شرط رکھتا۔ وہ دانت پیس پیس کر اس نئے زمانے کو کوستیں اور نئی نئی ریتوں رسموں کو چولھے میں جھونکتیں کہ اب

www.taemeernews.com

لڑکی کو بغیر دیکھے لڑکے والے ہاں نہیں کرتے ایک ان کا زمانہ تھا شریفوں میں زبان اور خاندان کی عزت دیکھی جاتی تھی ہڈی بوٹی دیکھی جاتی تھی لڑکی نہیں دیکھی جاتی تھی خود ان کی شادی ایسے ہوئی تھی ان کے میاں نے انھیں اور انھوں نے میاں کو شادی کے بعد دیکھا تھا اور کبھی بھی ایک دوسرے کی صورت کے عیبوں میں انگلی نہیں اٹھائی تھی صبر و شکر کے ساتھ اتنے بہت سے سال گزار دیئے تھے۔ اب اگر آج بھی یہی رواج ہوتا تو یہ مصیبت نہ کھڑی رہتی مزے سے حور بانو گھر بار کی ہو کر اب تک کئی بچوں کی ماں بن کے ان کو نانی بنا چکی ہوتی —— ہائے مری تقدیر وہ ماتھا کوٹتیں اور ٹھنڈی سانسیں بھرتیں کون درگاہ کون امام بارہ کون سی جگہ انھوں نے چھوڑی تھی جہاں حور بانو کی شادی کی منت نہ مانی ہو۔ مگر آج تک حور بانو کے سہرے کے پھول منھ باندھے پڑے تھے اور نور بانو تھی کہ دن بہ دن خوبصورت دن بدن پرکشش ہوتی چلی جا رہی تھی —— !

پھر ایک روز اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی ایک ملنے والی اپنی ایک ملنے والی کے لڑکے کا رشتہ لائیں۔ لڑکے والوں کو جہیز اور روپیہ پیسہ نہیں چاہیئے تھا — شریک لوگ تھے شریف گھر کی اچھی سیدھی سادی نیک لڑکی چاہتے تھے۔ جو شمع محفل کے بجائے چراغ خانہ بننے کی پوری پوری اہلیت رکھتی ہو۔ گھر میں پھر وہی چہل پہل الٹا پلٹی شروع ہو گئی۔ اماں آپا جی تینوں بھائی اور نور بانو سب ہی مصروف ہو گئے حور بانو بڑی بے دلی اور بے زاری سے یہ سب کچھ دیکھ سن رہی تھی اس کے نزدیک یہ سب بیکار تھا۔ وہ جانتی تھی ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی وہی ہو گا —— ماں اس کو کسی گڑیا کی طرح سجا سنوار کر لڑکے کی ماں اور بہن یا بھابھی کے سامنے لائیں گی اس کے سلیقے اور ہنر کے گن گا کر ان سب کو بازار کے کڑھے ہوئے میز پوش تکیہ کے غلاف اور چادریں دکھائیں گی سیپ کے بٹن کی بنائی ہوئی سینریاں کھائی

www.taemeernews.com

آلو کے پاپڑ اور سیو، کھلائیں گی اور اس کے مزاج کے تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملادیں گی اور پھر جب لوہا گرم ہو رہا ہوگا، راستہ ہموار ہو رہا ہوگا اس کے سہرے کی کلیوں میں کھلنے کے آثار پیدا ہو رہے ہوں گے تب، صبح کی پہلی اجلی نرم خوبصورت کرن کی مانند نور بانو چائے کی ٹرے لیکر کمرے میں آئے گی اور اس کے سر پہ رکھا ہوا لڑکے کی ماں کا ہاتھ ان کی گود میں آرہے گا بہن کی مسکراہٹ نور بانو کی طرف منتقل ہو جائے گی اور بھابھی نور بانو کو قدرت کا ایک شاہکار سمجھ کر۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کو دیکھنے لگ جائیں گی پھر۔ وہی ہوگا جو ہر بار ہوتا ہے۔

"لڑکی آپ کی اچھی ہے مگر پسند ہمیں چھوٹی والی ہے!"

اکثر ایسا بھی ہوا تھا کہ اماں نے نور بانو کو لڑکے والوں سے چھپانا چاہا تھا۔ چائے دانے سب نور بانو ہی سے منگائی تھی مگر آنے والے چھوٹی لڑکی کو دیکھے بغیر نہیں رہے تھے۔ پھر یہ بھی ہوا تھا کہ اماں نے سمجھا بجھا کے نور بانو کو خراب سے خراب بدرنگ بے ہنگم کپڑے پہنائے تھے سر میں کنگھی بھی نہیں کرنے دی تھی مگر، اس کا حسن اور طرح داری اس دھج میں بھی چھن چھن کر نکلی تھی اور وہی کہ۔ "ہمیں پسند آپ کی چھوٹی لڑکی ہے۔"

نور بانو بڑی بے زار اور بددل تھی اماں نے زبردستی اس کے کپڑے بدلوا دیئے تھے کنگھی کروائی تھی ہلکا پھلکا میک اپ کر کے وہ اچھی خاصی نکل آئی تھی پھر بھی وہ بددل تھی۔ لڑکے والے شام ہوتے آئے چھوٹے سے کمرے میں اُجلی اجلی روشنی تھی اور اس اجلی روشنی میں نور بانو سچ مچ بڑی پیاری سی لگنے لگی تھی۔ مگر اس کا دل ہر آہٹ پر دھڑک اٹھتا تھا لو۔ اب آئی نور بانو اور اس کا رنگ پھیکا پڑا! مگر ——— نور بانو نہیں آئی وہ گھر کے جانے کس کونے میں چھپی ہوئی تھی ——

لڑکے کی ماں نے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"بہن ۔ آپ کی دو لڑکیاں ہیں ماشاء اللہ۔ دوسری کو بھی ذرا بلائیے!"

اماں کا رنگ اڑ گیا اور حور بانو کی جان دھیرے دھیرے اس کے جسم سے کھنچنے لگی اس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا۔

"ہاں..... وہ ہے تو ..... میری چھوٹی بیٹیا بھی ہے مگر آج اسے بڑا تیز بخار ہے ..... باپ کے ساتھ ڈاکٹر کے یہاں گئی ہے ....."

"ٹھیک ہے۔ آجانے دیجئے اسے بھی دیکھ لیں گے!" لڑکے کی بہن نے کہا اور حور بانو کا جی چاہا اٹھ کر بھاگ جائے محنت سے کیا ہوا میک اپ اب رگڑ رگڑ کے برباد کر دے یہ خوبصورت لباس نوچ کھسوٹ کر پھینک دے اور چیخ چیخ کر روئے۔ اس طرح روئے جیسے اس کا کوئی عزیز مر گیا ہو ——

وہ اپنے اندر دنی ابال سے گھبرا کر اٹھی کہ کمرے سے باہر نکل جائے۔

"بیٹھو بیٹی۔" لڑکے کی ماں نے کہا۔

"جی .... میرے ..... میرے .... سر میں درد ہو رہا ہے!" اس نے رد دینے والے انداز میں کہا۔ اماں اس کو بڑی حسرت اور ہمدردی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں ان کے ہونٹ لرز رہے تھے اور لڑکے کی ماں کے لئے جو پان وہ بنا رہی تھیں اس میں بھر بھر کے چونا تھوپ رہی تھیں۔ ان کو احساس بھی نہیں تھا وہ کیا کر رہی ہیں۔

اچانک —!

ایسا لگا کمرے میں بھونچال آ گیا ہو۔ قیامت آ گئی ہو۔ حور بانو کچھ اسی طرح اندر گھسی تھی۔

اس کے بال بکھرے تھے۔ چہرے پر جگہ جگہ توے کی کالک اور راکھ لگی تھی۔ دوپٹہ چیتھڑوں کی صورت میں اڑ رہا تھا شلوار کا ایک پائنچا پھٹا ہوا تھا دوسرا سلامت تھا جمپر کا داہنا چاک بغل تک پھٹ گیا تھا اور پاؤں ننگے تھے ——

www.taemeernews.com

"ہاں لو۔ مجھے دیکھو۔ وہ چلائی اور پھر وحشیانہ انداز میں ہنسی۔..... لو دیکھو مجھے۔ میں وہ دیوار ہوں جو اپیا کے سامنے کھڑی ہوں۔ وہ وبال ہوں جو اماں ابّا کے سر پڑی ہوں...... دیکھنا چاہتی ہو مجھے۔ وہ لڑکے کی ماں کی طرف جھپٹی۔ لڑکے کی ماں چیخ مار کر اماں کے پیچھے چھپ گئیں اور بہن چھلانگ مار کر کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ بھابھی سہم کر دیوار سے چپکی ہوئی تھیں اور اس پگلی کو دیکھ رہی تھیں جو بڑی بڑی آنکھیں کھولے اپنے موتی جیسے دانت بھینچ رہی تھی۔ کمبختوں۔ مجھے کیوں پسند کرتے ہو تم لوگ بولو...... جواب دو" وہ اس بار بہن کی طرف دوڑی مگر اماں نے اس کو پکڑ لیا۔ ان کے چہرے پر بڑا سکون اور لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"میں نے بہانہ کیا تھا بہن۔ انھوں نے کہا۔ اس کا بچپن سے دماغ خراب ہے، اسی لئے میں اسے آپ کے سامنے نہیں لائی تھی — وہ نور بانو کو کمرے سے نکال لے گئیں۔

حور بانو سکتے کے عالم میں کھڑی یہ دیکھ اور سن رہی تھی۔

لڑکے کی ماں، بہن اور بھابھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں اور جلدی سے بھاگ جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

پھر وہ لوگ چلی بھی گئیں۔ اماں خوش تھیں۔ ابّا خوش تھے۔ ان کو یقین تھا اس بار حور بانو کی قسمت جاگ جائے گی، کئی روز کے جان لیوا انتظار کے بعد جواب آیا ——!

ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی بچی دیوانی لڑکی ہمیں بڑی سے زیادہ پسند آئی کاش کہ اس کا دماغ صحیح ہوتا ——!

اماں پر آسمان پھٹ پڑا۔ ابّا جی کو سکتہ ہو گیا اور حور بانو خاموشی سے

www.taemeernews.com

اپنے ہاتھ میں پکڑے رسالے کے ورق الٹتی پلٹتی رہی تب، نور بانو چپکے سے آئی اور حور بانو کے گلے لگ کر سسک پڑی۔

"اپیا ..... بتاؤ میں کیا کروں!"

"تم کچھ نہ کرو میری منی سی بہن۔ حور بانو کو اس پر پیار آگیا اس نے زور سے نور بانو کو چمٹا لیا اور بڑے اطمینان سے ماں سے بولی۔

"اماں .... یہ ضروری تو نہیں میری قسمت کی مار نور کو دی جائے.... ....آپ فوراً نور کی شادی کر دیجئے!"

"حور ٹھیک کہتی ہے۔ ابا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ بڑے دور کی کوڑی لائی ہے بیگم ...... نور کی شادی ہو جائے گی تو حور کا راستہ اپنے آپ صاف ہو جائیگا!"

اور اماں کو پہلی بار ..... نور بانو پر زور کا پیار آیا انھوں نے ہنس کر کہا۔

"آخر میری بیٹی ہے نا۔ اسی لئے اتنی سمجھدار ہے!"

اور حور بانو کو یوں لگا اس کے سہرے کی کلیاں تیزی سے کھل رہی ہوں۔

بڑی تیزی سے ———— !

www.taemeernews.com

ناولوں اور افسانے کی دنیا میں عطیہ پروین
کا نام محتاج تعارف نہیں۔ اِن کی اب تک
چھبیس ناولیں شائع ہو چکی ہیں اور متعدد
افسانے اُردو کے معیاری رسالوں میں
شائع ہو چکے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے
ذریعہ بھی ان کے کئی افسانے نشر
ہو چکے ہیں۔ ان کی ناولیں مسلم معاشرہ
کی منھ بولتی تصویریں ہیں اور انکی
کہانیوں کی خوبی یہ ہے کہ "جو سنتا ہے
اُسی کی داستان معلوم ہوتی ہے"

علی باقر زیدی